بسم اللہ الرحمن الرحیم

شباب علمی

شباب علمی

مصافحہ کا مسنون طریقہ

از قلم

مفتی جمیل احمد نذیری

مہتمم جامعہ عربیہ عین الاسلام، نوادہ، مبارک پور

شائع کردہ :- جمعیۃ علماء مہاراشٹرا وزیر بلڈنگ، دوسرا منزلہ،
۱۷۹، ابراہیم رحمت اللہ روڈ، ممبئی۔ ۴۰۰۰۰۳ فون: ۲۳۷۱۲۷۴۲ (۰۲۲)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفصیلات

نام کتاب	مصافحہ کا مسنون طریقہ
مصنف	مولانا مفتی جمیل احمد نذیری مہتمم جامعہ عربیہ عین الاسلام نوادہ، مبارکپور
صفحات	۹۶
کمپوزنگ کمپیوٹر	صلاح الدین نثار معروفیؔ آزاد کمپیوٹر، پورہ معروف، مئو
طباعت	کاکوری آفسیٹ لکھنؤ
سن طباعت	فروری ۲۰۰۴ء
تعداد	گیارہ سو

بسلسلۂ تحفظِ سنت کانفرنس

جمعیۃ علماء ہند نئی دہلی

شائع کردہ :— جمعیۃ علماء مہاراشٹر اوزیر بلڈنگ، دوسرا منزلہ،
۱۷۹، ابراہیم رحمت اللہ روڈ، ممبئی۔ ۴۰۰۰۰۳ فون: ۳۷۱۲۷۴۲ (۰۲۲)

فہرست مضامین

عنوانات	صفحہ
مصافحہ کامسنون طریقہ	۴
مصافحہ کا اجر وثواب	۴
مصافحہ کا معنیٰ	۵
مصافحہ کا مسنون طریقہ	۶
حدیث سے دو ہاتھ کے مصافحہ کا ثبوت	۷
حدیث ابن مسعودؓ سے مصافحہ کا ثبوت کیسے؟	۱۰
اعتراضات کے جوابات	۱۱
حماد بن زیدؒ اور عبد اللہ بن مبارکؒ	۱۴
یہ دونوں حضرات تابعی تھے یا نہیں؟	۱۶
کتب احناف اور فقہائے احناف	۱۷
بخاری کا ترجمۃ الباب	۱۹
علماء غیر مقلدین اور یہ حرکتیں	۲۴
بخاری کے نسخے	۲۷
ایک ہاتھ سے مصافحہ کی صراحت نہیں	۲۹
فریق ثانی کے دلائل	۳۱
چند اصولی باتیں	۳۱
"ید" اور "کف" اسمِ جنس	۳۵
"ید" اور "کف" میں ایک اور دو کا معنیٰ	۳۵
اسم جنس کسے کہتے ہیں؟	۳۶
چند اعتراضات کے جوابات	۳۸
"ید" دو ہاتھ کے معنیٰ میں	۴۳
قرآن سے ثبوت	۴۴
حدیث سے ثبوت	۴۵
بخاری کے ترجمۃ الباب سے ثبوت	۵۱
اہل حدیث علماء کی تحریروں سے ثبوت	۵۱
ایک سوال اور اس کا جواب	۵۲
کمزور بنیادیں	۵۴
یہ کمزور بنیاد	۵۴
مصافحہ اور بیعت	۵۷
پہلا فرق، لغت اور اصطلاح کے اعتبار سے	۵۸
دوسرا فرق، طریقہ کے اعتبار سے	۵۹
تیسرا فرق، مقصد کے اعتبار سے	۶۱
چوتھا فرق، وقت کے اعتبار سے	۶۲
محدثین کا انداز بیان	۶۴
فقیہ اور محدث میں یہی فرق ہے	۶۴
لغوی اشتراک سے حکم مشترک نہیں ہوسکتا	۶۶
"قطع ید" کی روایات سے استدلال	۶۸
دائیں ہاتھ سے کام کرنے کی حدیثیں	۶۹
اقوال علماء کا حوالہ	۷۲
ایک ہاتھ کا مصافحہ اور یہ احادیث	۷۴
ہاتھ پکڑنا صرف مصافحہ کے لئے ہی نہیں ہوتا	۷۶
کیا درمیانِ گفتگو میں مصافحہ ہوتا ہے؟	۸۶
ترجمہ اور استدلال میں یہ فرق کیوں؟	۸۹
مولانا مبارکپوریؒ کی نقل کردہ تین روایتیں	۹۰

بسم الله الرحمٰن الرحيم

مصافحہ کا مسنون طریقہ

مصافحہ کا اجر وثواب

سلام ومصافحہ مسلمانوں کے مذہبی شعائر میں سے ہے، سلام اور مصافحہ دونوں کا جوڑ ہے، کبھی کبھی سلام اور مصافحہ دونوں کیا جاتا ہے، کبھی صرف سلام۔ لیکن تنہا مصافحہ بغیر سلام کے نہیں ہے۔

صحابۂ کرامؓ میں مصافحہ کا طریقہ جاری تھا، (بخاری) رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جب دو مسلمان ملاقات کرتے ہیں اور مصافحہ کرتے ہیں تو دونوں کے جدا ہونے سے پہلے ان کی مغفرت کردی جاتی ہے۔ (مسند احمد وترمذی)

مصافحہ کے ذریعہ ملاقات وسلام کی تکمیل ہوجاتی ہے، **وتمام تحياتكم بينكم المصافحة** (مسند احمد وترمذی)

رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں،

تصافحوا يذهب الغل وتهادوا تحابوا وتذهب الشحناء
(مؤطا امام مالک ص ۳۶۵)

آپس میں مصافحہ کرو، اس سے کینہ دور ہوتا ہے، ایک دوسرے کو ہدیہ دیا کرو، آپس میں محبت کرنے لگو گے اور دل کی دشمنی ختم ہوجائے گی۔

مصافحہ کا معنیٰ

مصافحہ کا لغویٰ مفہوم **الصاق صفح الکف بالکف** ہے، یعنی ہتھیلی کا ہتھیلی سے ملانا، لیکن اصطلاحِ شرع میں ملاقات کے وقت اس عمل کا نام مصافحہ ہے (۱) ہتھیلی، ہتھیلی سے اس وقت بھی ملتی ہے، جب ایک ہاتھ سے مصافحہ ہو، اور ہتھیلی، ہتھیلی سے اس وقت بھی ملتی ہے جب دو ہاتھ سے مصافحہ ہو۔ مصافحہ کا لغوی مفہوم دونوں پر مکمل طور سے صادق ہے۔

یہ سمجھنا، کہ ہتھیلی ہتھیلی سے اس وقت ملتی ہے جب ایک ہاتھ سے مصافحہ ہو اور دو ہاتھ کے مصافحہ میں ہتھیلی، ہتھیلی سے نہیں ملتی، صحیح نہیں۔

تجربے کے لئے آپ ایک ہاتھ سے بھی مصافحہ کر کے دیکھ لیجئے اور دو ہاتھ سے بھی، دیکھئے! دونوں میں ہتھیلی، ہتھیلی سے ملی یا نہیں؟ اور غیر مقلد عالم مولانا عبد الرحمٰن صاحب مبارکپوریؒ کی یہ بات تجربے سے غلط ثابت ہوئی یا نہیں؟

> ”اہلِ لغت اور شرّاحِ حدیث نے مصافحہ کے جو معنیٰ لکھے ہیں وہ دونوں ہاتھ کے مصافحہ پر صادق نہیں آتے، اور ایک ہاتھ کے مصافحہ پر ـــــــ جس طرح اہل حدیث......... بخوبی صادق آتے ہیں۔“ (المقالۃ الحسنیٰ ص ۲۷)

---

(۱) بعض روایات سے رخصت کے وقت بھی مصافحہ کا ثبوت ملتا ہے، دیکھئے مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحئی ص ۱۲۳، احسن الفتاویٰ ج ۸ ص ۴۰۳ -

مصافحہ کا مسنون طریقہ

مصافحہ کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں سے کیا جائے، فقہ حنفی کی مشہور کتاب درمختار میں ہے

السنة فی المصافحة بکلتایدیه
(ج ۵ ص ۲۴۴)

مصافحہ میں سنت یہ ہے کہ اپنے دونوں ہاتھوں سے ہو۔

اس کی شرح کرتے ہوئے علامہ ابن عابدین شامیؒ لکھتے ہیں

والسنة ان تکون بکلتا یدیه وبغیر حائل من ثوب اوغیره وعند اللقاء بعدالسلام .

مسنون یہ ہے کہ اپنے دونوں ہاتھوں سے ہو، کپڑے وغیرہ کی رکاوٹ کے بغیر، ملاقات کے وقت، سلام کے بعد۔

(ردالمحتار علی الدرالمختار صفحہ مذکورہ)

مجالس ابرار میں ہے

والسنة فیهاان تکون بکلتاالیدین
(مجلس ۵۰ ص ۳۱۶)

مصافحہ میں سنت یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں سے ہو۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں

ومصافحہ سنت است وباید کہ ہر دو دست بود
(اشعۃ اللمعات ج ۳ باب المصافحہ)

مصافحہ سنت ہے اور دونوں ہاتھوں سے کرنا چاہئے۔

علامہ نواب قطب الدین دہلویؒ مظاہر حق شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں

”مصافحہ سنت ہے، وقت ملاقات کے چاہئے کہ دونوں ہاتھوں سے ہو۔“

(مظاہر حق ج ۴ ص ۵۹ باب المصافحہ)

حدیث سے دو ہاتھ کے مصافحہ کا ثبوت

مذکورہ بالا فقہائے احناف نے مصافحہ کا جو مسنون طریقہ بیان فرمایا ہے، وہ ان کا ایجاد کردہ نہیں، یہ مسئلہ نہ قیاسی ہے نہ اجتہادی، بلکہ اس کا ثبوت احادیثِ صریحہ سے ہے۔ وہ بھی بخاری شریف میں امام بخاریؒ جیسے عظیم محدث کے قلم سے۔ اور دوسری کوئی حدیث اس کے معارض بھی نہیں۔

امام بخاریؒ نے بخاری جلد دوم ص ۹۲۶ پر ایک عنوان قائم کیا ہے باب المصافحة (مصافحہ کا بیان)۔ اس باب کے تحت پہلی حدیث یہ ہے

قال ابن مسعود علمنی النبی ﷺ التشهد و كفی بين كفيه.

عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے تشہد سکھایا حال یہ کہ میری ہتھیلی، حضور ﷺ کی دونوں ہتھیلیوں کے درمیان تھی۔

اس حدیث کے علاوہ امام بخاریؒ نے اسی باب میں تین حدیثیں اور نقل کی ہیں، ایک کعب بن مالکؓ کی، دوسری قتادہؒ کی، تیسری عبداللہ بن ہشامؓ کی، مگر ان تینوں میں سے کسی میں کیفیتِ مصافحہ کی تفصیل نہیں۔ پہلی دو روایتیں نفسِ مصافحہ کے ثبوت میں ہیں، تیسری روایت میں بھی احتمال ہے کہ یہ مصافحہ کا ہی واقعہ ہو اور یہ بھی کہ مصافحہ نہ رہا ہو۔ (۱)

صرف پہلی روایت عبداللہ بن مسعودؓ کی ہی ایک ایسی روایت ہے جس میں

---

(۱) بخاری کا باب المصافحہ مع چاروں احادیث ص ۲۰ پر آرہا ہے۔

مصافحہ کی کیفیت وتفصیل بالصراحت مذکور ہے۔ اسی اہمیت کے پیش نظر امام بخاریؒ نے **باب المصافحة** کی چاروں احادیث میں پہلے نمبر پر اسی روایت کو نقل کیا۔ امام بخاریؒ نے مصافحہ اور کیفیت مصافحہ کے ثبوت میں اس حدیث کو کس قدر اہمیت دی ہے، اس کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ امام بخاریؒ نے **باب المصافحة** کے بعد فوراً ایک اور باب قائم کیا۔

باب الأخذ باليدين وصافح حماد بن زيد ابن المبارك بيديه .

(حوالۂ مذکورہ

(مصافحہ میں) دونوں ہاتھ پکڑنے کا (صریح) بیان اور یہ کہ حماد بن زیدؒ (تابعی) نے عبداللہ بن مبارکؒ (تابعی) سے اپنے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا۔

اس عنوان کے ساتھ امام بخاریؒ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی سابقہ حدیث ان الفاظ میں دوبارہ نقل کی

علمنى النبى ﷺ وكفى بين كفيه التشهد كمايعلمنى السورة من القرآن التحيات لله والصلوات والطيبات الخ

(حوالۂ مذکورہ)

سکھایا مجھے رسول اللہ ﷺ نے تشہد جیسا کہ سکھاتے مجھ کو قرآن کی سورت، اور اس وقت میری ہتھیلی، حضور ﷺ کی دونوں ہتھیلیوں کے درمیان تھی، **التحيات لله والصلوٰت والطيبات الخ.**

اس کا صاف نتیجہ یہ ہے کہ

۱- امام بخاریؒ کے نزدیک حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث سے نفسِ مصافحہ کا بھی ثبوت ملتا ہے اور طریقۂ مصافحہ کا بھی۔ نفسِ مصافحہ کے ثبوت کے لئے اس حدیث کو باب المصافحہ کے پہلے نمبر پر ذکر کیا، اور طریقۂ مصافحہ کے ثبوت کے لئے باب

لاخذ بالیدین میں اس حدیث کو دوبارہ لائے۔

(دیکھئے عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۵۲)

۲- امام بخاریؒ کے نزدیک بھی مصافحہ کا مسنون طریقہ یہی تھا کہ دونوں ہاتھوں سے کیا جائے، یہی وجہ ہے کہ مذکورہ روایتوں کو نقل کرتے وقت انھوں نے کوئی نقد وجرح نہیں کیا، کسی قسم کا اعتراض نہیں کیا، اگر یہ طریقہ ان کے نزدیک صحیح نہ ہوتا تو وہ ضرور کچھ نہ کچھ لکھتے جیسا کہ ان کا مزاج تھا اور بخاری شریف میں اس کے بکثرت نمونے موجود ہیں۔

۳- امام بخاریؒ نے اپنی بات کو مؤکد کرنے کے لئے دو جلیل القدر تابعی حماد بن زیدؒ اور عبداللہ بن مبارکؒ کی اس ملاقات کا بھی تذکرہ کر دیا جس میں دونوں ہاتھوں سے مصافحہ ہوا۔

۴- یہ واقعہ کہاں کا ہے؟ اور کس نے دیکھا؟ اس کے متعلق مشہور محدث، شارحِ بخاری علامہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ اپنی کتاب التاریخ میں عبداللہ بن المراوی کے ترجمہ میں ابواسمٰعیل بن ابراہیم کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں

رأیت حماد بن زید وجاءه ابن المبارک بمکة فصافحه بکلتا یدیه.	میں نے حمادؒ بن زید کو دیکھا کہ ان کے پاس مکہ مکرمہ میں عبداللہؒ بن مبارک آئے، پس انھوں نے ان سے اپنے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا۔

(فتح الباری ج ۱۱ ص ۵۶)

۵- حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی (جو کہ شافعی المسلک تھے) حماد بن

زید اور عبداللہ ابن مبارک کے دونوں ہاتھوں کے مصافحہ کا تذکرہ بلا کسی جرح و تنقد کے کیا، اگر ان کے نزدیک مصافحہ کا یہ طریقہ مسنون نہ ہوتا اور اس میں کسی قسم کی بھی سنت کی خلاف ورزی ہوتی تو ان کی عادت کے خلاف تھا کہ وہ خاموشی سے بلا کچھ تنبیہ کئے گزر جاتے۔

بہر حال بخاری کے باب **المصافحة** اور **باب الأخذ باليدين** سے مندرجہ ذیل پانچ بزرگانِ امت کا مسلک ظاہر ہو گیا کہ وہ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کو مسنون سمجھتے تھے۔

(۱) مشہور صحابی رسول ؐ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (۲) مشہور تابعی حماد بن زیدؒ (۳) مشہور تابعی عبداللہ بن مبارکؒ (۴) مشہور محدث امام محمد بن اسمٰعیل بخاریؒ (۵) مشہور محدث علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی شافعیؒ۔

حدیثِ ابن مسعودؓ سے مصافحہ کا ثبوت کیسے؟

یہاں امام بخاریؒ پر تین اعتراضات وارد ہوتے ہیں

(۱) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے یہی تو کہا ہے کہ جب حضور ﷺ نے مجھے تشہد سکھایا تو میری ہتھیلی، حضورؐ کی دونوں ہتھیلیوں کے درمیان تھی **كفي بين كفيه**.

اِس سے نفس مصافحہ کا ثبوت کیسے ہوا؟

(۲) دوسرا اعتراض یہ ہے کہ **كفي بين كفيه** (میری ہتھیلی، حضورؐ کی دونوں ہتھیلیوں کے درمیان تھی) اس سے دونوں ہاتھوں کا مصافحہ کیسے ثابت ہوا؟

(۳) مصافحہ تو ملاقات کے وقت ہوتا ہے، تشہد سکھاتے وقت مصافحہ کرنا، مصافحہ کا وقت نہیں۔ لہٰذا اس روایت سے نہ مصافحہ ثابت ہوتا ہے، نہ کیفیتِ مصافحہ، یہ

تینوں اعتراضات مجموعی طور پر جماعتِ اہلِ حدیث کے بڑے بڑے علماء اپنی کتابوں میں کرتے آئے ہیں ۔ چنانچہ صاحبِ تحفۃ الاحوذی مولانا عبدالرحمٰن صاحب محدث مبارکپوریؒ لکھتے ہیں

”ابنِ مسعود کی حدیث میں جس میں لفظ (و کفی بین کفیه) واقع ہے، نہ اول ملاقات کا بیان ہے نہ مصافحہ کا ذکر اور نہ بیعت کا تذکرہ، پس کیوں کر معلوم ہوا کہ ابن مسعود کے کف کا رسول اللہ ﷺ کے دونوں کفوں میں ہونا علیٰ سبیل المصافحة تھا۔“ (المقالۃ الحسنیٰ ص ۴۰)

دو سطر کے بعد پھر لکھتے ہیں

”بلکہ ظاہر یہی ہے کہ یہ علیٰ سبیل المصافحہ نہیں تھا۔“ (حوالۂ مذکورہ)

مولانا عبدالمتین میمن جوناگڈھی لکھتے ہیں

”مصافحہ ملاقات کے وقت ہوتا ہے، کیا دعا اور تشہد سکھاتے وقت بھی شریعت میں مصافحہ مقرر ہے؟ ہرگز نہیں۔“ (حدیث خیر و شر ص ۱۸۵)

چند سطروں کے بعد پھر لکھتے ہیں

”یہ نہ مصافحہ کی صورت ہے نہ مصافحہ کا وقت۔“ (حوالہ مذکورہ)

دو چار سطر کے بعد پھر لکھتے ہیں

”زیر بحث حدیث نہ مصافحہ کے لئے ہے، نہ مصافحہ کی صورت ہے اور نہ مصافحہ کا وقت ہے۔“ (ایضاً)

اعتراضات کے جوابات

شرح بخاری فتح الباری ج ۱۱ ص ۵۶ وعمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۵۲ کی روشنی

میں اِن سارے اعتراضات کے جوابات پیش کیئے جاتے ہیں۔

پہلے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ مصافحہ کا مفہوم **التقاء صفحة اليد بصفحة اليد** ہے، یعنی یہ کہ ہتھیلی، ہتھیلی سے مل جائے، ظاہر ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی ایک ہتھیلی رسول اللہ ﷺ کی دونوں ہتھیلیوں کے درمیان تھی اس وقت میں ہتھیلی کا ہتھیلی سے ملنا پایا جارہا تھا اور یہی نفسِ مصافحہ ہے۔

دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ جب دونوں طرف سے، دونوں ہاتھ سے مصافحہ کیا جائے گا تبھی ایک شخص کی ایک ہتھیلی، دوسرے کی دونوں ہتھیلیوں کے درمیان پڑے گی۔ اگر کسی شخص کو یہ بات سمجھ میں نہ آتی ہو تو کسی دوسرے سے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کر کے دیکھ لے، شرط یہ ہے کہ دوسرے کے بھی دونوں ہاتھ ہوں، اس صورت میں دونوں میں سے ہر ایک کا یہ حال ہوگا کہ ایک کی ایک ہتھیلی، دوسرے کی دونوں ہتھیلیوں کے درمیان آجائے گی۔ لہٰذا كفى بين كفيه سے ثابت ہوا کہ حضور اقدس ﷺ اور عبداللہ بن مسعودؓ، دونوں کے درمیان جو مصافحہ ہوا تھا، اس میں دونوں طرف سے دونوں ہاتھ تھے۔ حضورؐ کے دونوں ہاتھوں کا ہونا تو خود حدیث کے الفاظ "كفى بين كفيه" سے ظاہر ہے اور عبداللہ بن مسعودؓ کے دونوں ہاتھوں کا ہونا ان کی بیان کردہ مکمل صورت "كفى بين كفيه" سے ظاہر ہے کیوں کہ وہ صورت اسی وقت بنے گی جب دونوں طرف سے دونوں ہاتھ ہوں جیسا کہ ابھی گذرا۔ ورنہ اگر "كفى بين كفيه" کا یہ مطلب ہو کہ حضورؐ کے تو دونوں ہاتھ تھے مگر عبداللہ بن مسعودؓ کا صرف ایک ہاتھ (۱)، اس سے لازم آئے گا کہ نعوذ باللہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بڑے بے ادب اور گستاخ تھے کہ

---

(۱) بعض اہل حدیث علماء کفی بین کفیہ کا یہی مطلب بتاتے ہیں، ملاحظہ ہو حدیث خیر و شر ص ۱۸۴

حضورؐ نے تو دونوں ہاتھ بڑھائے مگر اِنھوں نے بڑی لاپروائی کے ساتھ صرف ایک ہاتھ بڑھادیا۔

سوچیئے! سفر و حضر میں حضورؐ کے ساتھ ساتھ رہنے والے، طرز زندگی میں حضورؐ سے ملتے جلتے (۱) جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کیا گستاخ رسولؐ تھے؟! یہ ایسی بات ہے جس کے تصور سے ہی رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔

تیسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے عبداللہ بن مسعودؓ سے تشہد سکھانے کے لئے مصافحہ نہیں کیا تھا بلکہ مصافحہ کے وقت ہی تشہد سکھایا تھا۔ یعنی یہ مصافحہ اس لئے نہیں کیا تھا کہ ابن مسعودؓ کو تشہد سکھائیں بلکہ مصافحہ کے دوران ہی حضور ﷺ نے انھیں تشہد کی بھی تعلیم دے دی۔

اگر کسی کو یہ اعتراض ہو کہ حضور ﷺ نے دورانِ مصافحہ کیوں تشہد سکھایا؟ تو سوچ لے کہ یہ اعتراض کس پر ہے؟ حضور ﷺ معلم و مبلغ بن کر تشریف لائے تھے جس وقت جس کو جو چیز مناسب سمجھی سکھادی اور بتادی۔ احادیث میں اس قسم کے نمونے بکثرت موجود ہیں، کبھی حضور ﷺ نے سواری پر کوئی بات بتائی، کبھی چلتے پھرتے کوئی بات بتائی، کبھی کھاتے پیتے کوئی بات بتادی، ایسا نہیں تھا کہ حضور ﷺ ہمیشہ مسجد نبوی میں آکر یا منبر پر کھڑے ہوکر ہی کوئی بات بتاتے ہوں، اس قسم کے واقعات تو بہت کم ہیں، البتہ اس کے برعکس چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے، کھاتے پیتے، پیادہ اور سوار، گھر پر یا میدانِ جنگ میں تعلیم و تربیت، تبلیغ و تلقین کے واقعات بہت ہیں، کہاں تک مثالیں پیش کی جائیں، احادیثِ نبویہؐ سے شغف اور سیرتِ رسولؐ سے واقفیت رکھنے

---

(۱) ترمذی شریف ج ۲ ص ۲۲۱ —

والے حضرات خوب جانتے ہیں۔

مصافحہ کے دوران تشہد سکھانے میں بظاہر ایک حکمت یہ بھی ہے کہ مصافحہ کے وقت مصافحہ کرنے والے ایک دوسرے کی طرف پورے پورے متوجہ ہوتے ہیں، اس وقت کوئی بات بتائی جائے تو مخاطب پوری حاضر دماغی اور دھیان سے سنتا اور یاد رکھتا ہے، ممکن ہے اِسی مقصد کے تحت حضورؐ نے عبداللہ بن مسعودؓ کو دورانِ مصافحہ تشہد سکھایا ہو۔ چنانچہ ہدایہ، فتح القدیر، درایہ وکفایہ وغیرہ سے صاف پتہ چلتا ہے کہ دورانِ مصافحہ تشہد سکھانا تاکیدِ تعلیم کے لئے تھا۔

جہاں تک بعض حضرات کے اس اعتراض کا تعلق ہے کہ تشہد سکھانے میں دوسرے لوگوں نے بھی ”كفی بين كفيه“ والی صورت پر عمل کیا ہے،(۱) تو یہ کوئی اعتراض کی بات نہیں، یہ تو حدیث کی تعلیم کا ایک انداز ہے کہ ایک حدیث جس صورتِ حال کے ساتھ ہم تک پہونچی ہو، اُسی انداز میں ہم اپنے شاگردوں تک پہونچادیں۔

حماد بن زیدؒ اور عبداللہ بن مبارکؒ

بخاری شریف کے یہ الفاظ کتنے واضح ہیں

صافح حمادبن زيدابن المبارك بيديه. (ج۲ ص۹۲۶)	مصافحہ کیا حماد بن زیدؒ نے، عبداللہ بن مبارکؒ سے اپنے دونوں ہاتھوں سے۔

لیکن کچھ حضرات اس کی بھی الٹی ہی تاویل کرنے میں لگے ہوئے ہیں، ایک غیر مقلد عالم نے ایک کتابچہ لکھا ہے ”دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کی شرعی حیثیت“ اس کے ص ۱۸ پر انھوں نے لکھا ہے کہ حماد بن زیدؒ چونکہ نابینا تھے، اسی لئے عبداللہ بن مبارکؒ

---

(۱) حدیث خیر وشر ص ۲۰۰

کے آنے پر وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے عبداللہ بن مبارک کو ٹٹول رہے تھے اور لپٹ رہے تھے، نہ کہ بیناؤں کی طرح دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کر رہے تھے۔

مرکزی دارالعلوم بنارس کے ترجمان ماہنامہ محدث فروری ۸۶ء ص ۲۶ و ص ۳۱ پر بھی اسی قسم کی باتیں لکھی ہوئی ہیں۔ لیکن یہ غیر مقلد علماء کا اتنا بڑا فریب ہے کہ اس کی مثال نہ ملے گی۔ گویا نہ تو امام بخاریؒ کو پتہ چلا کہ وہ اِس ٹٹولنے اور لپٹنے کو دونوں ہاتھوں کا مصافحہ قرار دے بیٹھے اور **صافح حماد بن زید الخ** سے اسے بیان کر دیا۔ نہ بخاری کے شارح علامہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اور علامہ بدرالدین عینی وغیرہ کو، کہ وہ اسے مصافحہ نہ سمجھتے بلکہ امام بخاریؒ پر تنقید کرتے، بلکہ ان حضرات نے بھی اسے مصافحہ ہی سمجھا اور سمجھایا۔ اسی کے مطابق اس کی تشریح کی، یہی نہیں، آج تک کسی کے بھی سمجھ میں نہ آسکا تھا کہ حماد بن زیدؒ نے عبداللہ بن مبارکؒ کو دونوں ہاتھوں سے ٹٹولا تھا، مصافحہ نہیں کیا تھا۔ اتنے عرصہ کے بعد اب یہ راز منکشف ہوا ہے۔ امام بخاریؒ اور ابن حجرؒ بڑی بھول میں تھے، بڑا کرم کیا کہ ہمارے غیر مقلد علماء نے انھیں سمجھا دیا۔

آئیے! سنجیدگی سے غور کیجئے! کہ ٹٹولنے کی ضرورت کسی نابینا کو کب پڑتی ہے؟ جو نابینا اپنی جگہ بیٹھا ہو اور کوئی دوسرا اس سے ملنے آئے، اس صورت میں نابینا کو آنے والے کو ٹٹولنے اور لپٹنے کی ضرورت نہ پڑے گی، بلکہ آنے والا اگر بینا ہوگا تو خود ہی دیکھ کر لپٹ جائے گا، اور اگر نابینا ہوگا اور بیٹھا ہوا شخص بینا ہوگا تو بھی ٹٹول کر لپٹنے کی ضرورت آنے والے کو ہوگی، گویا بیٹھا ہوا شخص خواہ بینا ہو یا نابینا، اسے آنے والے شخص سے ملاقات کے لئے، آنے والے شخص کو ٹٹولنے کی ضرورت نہ ہوگی، ٹٹولنے کی ضرورت آنے والے کو ہی ہوگی، اگر وہ نابینا ہو۔

یہاں صورت حال یہ ہے کہ آنے والے حضرت عبداللہ بن مبارکؒ بینا تھے اور بیٹھے ہوئے شخص حضرت حماد بن زیدؒ (بقولِ معترض) نابینا، عبداللہ بن مبارکؒ نے خود ہی آگے بڑھ کر ملاقات کرلی ہوگی، حماد بن زیدؒ کو یہ ضرورت ہی نہ پڑی ہوگی کہ وہ عبداللہ بن مبارکؒ کو پہلے دونوں ہاتھوں سے ٹٹولیں کہ کہاں کھڑے ہیں پھر لپٹیں۔ یہی بات روزمرہ کے حالات کے عین مطابق ہے۔

دوم یہ کہ حماد بن زیدؒ آخر عمر میں نابینا ہوئے تھے، کوئی ضروری ہے کہ یہ واقعہ آخر ہی عمر کا ہو۔ (١)

سوم یہ کہ اس واقعہ کو نقل کرنے والے ایک تیسرے شخص اسمٰعیل بن ابراھیم ہیں جو کہ بینا ہیں، انھوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہوا واقعہ بیان کیا ہے کہ مکہ مکرمہ میں حماد بن زیدؒ نے عبداللہ بن مبارکؒ سے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا تھا، ٹٹولا نہیں تھا۔

لفظهٗ رأیت حماد بن زیدؒ الخ

(فتح الباری ج ١١ ص ٥٦، عمدۃ القاری ج ٢٢ ص ٢٥٣)

چہارم یہ کہ حماد بن زیدؒ کے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنے کا ذکر تو کتب حدیث وشرح میں صاف صاف موجود ہے، مگر ٹٹولنے اور لپٹنے کا ذکر کس کتاب میں ہے؟ غیر مقلد علماء بتائیں۔

یہ دونوں حضرات تابعی تھے یا نہیں؟

غیر مقلد علماء، حضرت حماد بن زیدؒ اور حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے تابعی ہونے

---

(١) دیکھئے اکمال فی اسماء الرجال ص ٥٩١۔

کا شدومد سے انکار کرتے ہیں، انھیں تبع تابعی کہتے ہیں۔

(دیکھئے المقالۃ الحسنٰی ص ۵۶ اور دو ہاتھ سے مصافحہ کی شرعی حیثیت ص ۱۹ وغیرہ)

جبکہ صاحب مشکوٰۃ شیخ ولی الدین ابوعبداللہؒ نے اکمال فی اسماء الرجال کے ص ۵۹۱ وص ۶۰۸ پر دونوں حضرات کو تابعین میں شمار کیا ہے۔

ویسے ہمارے نزدیک یہ بحث کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتی، یہ دونوں حضرات تابعی ہوں یا تبع تابعی، نفسِ مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ چلئے یہی صحیح کہ یہ دونوں حضرات تبع تابعی تھے، پھر بھی صحابۂ کرامؓ اور تابعین عظامؒ کی طرح خیر القرون میں تو شامل ہیں،

فرمان رسالت مآبؐ **خیرالناس قرنی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم** (۱) کے تو مصداق ہیں

پھر یہ کہ ان حضرات کا عمل حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث **کفی بین کفیه** کے عین مطابق بھی ہے۔ دوسری طرف ایک ہاتھ کے مصافحہ کی نہ کوئی صریح حدیث موجود ہے، نہ کسی صحابی کا صریح عمل نہ کسی تابعی کا، نہ تبع تابعی کا، (۲) لہٰذا اب چون وچرا کی گنجائش کہاں ہے۔

کتبِ احناف اور فقہائے احناف

مولانا عبدالرحمٰن صاحب مبارکپوریؒ نے اپنی کتاب "المقالۃ الحسنٰی فی سنیة المصافحه بالید الیمنیٰ" کے شروع کے پانچ صفحے یہ ثابت کرنے میں صرف کئے ہیں کہ مستند کتبِ احناف میں دو ہاتھ کے مصافحہ کا ذکر نہیں، یہ بعد کے احناف کی ایجاد ہے۔

---

(۱) مسلم ج ۲ ص ۳۰۹ والصحیح ان قرنه ﷺ الصحابة والثانی التابعون والثالث تابعوهم (نووی علی المسلم حوالہ مذکورہ)

(۲) مفصل بحث ص ۲۸ پر آرہی ہے۔

حالانکہ درمختار، شامی، مجالس الابرار، اشعۃ اللمعات، مظاہر حق وغیرہ جن میں دو ہاتھ کے مصافحہ کا مسنون ہونا لکھا ہے، یہ بھی کتبِ احناف ہی ہیں اور مستند کتبِ احناف ہیں، پھر آخر مولانا کو اپنی بات پر اصرار کیوں ہے؟

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ تمام کتب احناف میں یہ مسئلہ مصرح نہیں، تو کسی فقہی مسلک کی وہ کون سی کتاب ہے؟ جس میں اس مسلک کے سارے مسائل کا احاطہ ہو، کوئی مسئلہ رہ نہ گیا ہو۔ لہٰذا اگر احناف کی کچھ کتابوں میں یہ مسئلہ موجود نہ ہو تو اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔ یہ بھی سوچنا چاہئے کہ تواترِ عمل اور تواترِ توارث بھی مستقل دلیلِ شرعی ہے۔(۱) اور ظاہر ہے کہ جمہور احناف بلکہ جمہور امت کا عملی تواتر دو ہاتھ سے مصافحہ پر ہے اِلّا معدودے چند افراد مثلاً غیر مقلد صاحبان۔

مولانا نے اپنی کتاب کے ص۹ اور ص۵۹ پر صاحبِ قنیہ نجم الدین مختار بن محمود کے اعتزال کو بھی موضوعِ بحث بنایا ہے۔ مگر خود انھیں کے نقل کردہ عمدۃ الرعایہ کے مقدمہ میں صاحب قنیہ کے متعلق ''حنفی الفروع'' کے الفاظ موجود ہیں اور تنقیح فتاویٰ حامدیہ وغیرہ کے حوالے سے یہ بھی لکھا ہے کہ

لایلتفت الی مانقله صاحب القنیة مخالفا للقواعد مالم یعضده نقل من غیره . (مقدمہ عمدۃ الرعایۃ فی حل شرح الوقایۃ ص ۱۲)	صاحبِ قنیہ کے منقولات کی طرف اس وقت کوئی توجہ نہیں کی جائے گی جب وہ قواعد کے مخالف ہوں، جب تک کہ کسی اور کے نقل سے اسے تقویت نہ مل جائے۔

اس سے ثابت ہوا کہ صاحبِ قنیہ کے نقل کردہ مسئلہ کی مطابقت اگر کسی دیگر

---

(۲) مقدمہ فتح الملہم ص٦۔

مستند و معتبر نقل سے نہ ہو تو صاحبِ قنیہ کی بات نا قابلِ التفات ہوگی اور مطابقت ہو جائے تو قابلِ التفات ہوگی۔

یہاں دو ہاتھ کے مصافحہ کا ثبوت بخاری کے باب المصافحہ، باب الاخذ بالیدین، عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت کفی بین کفیہ، حماد بن زیدؒ اور عبداللہ بن مبارکؒ کے عمل، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اور بدر الدین عینیؒ وغیرہ کی شرح سے بخوبی واضح ہے، مستند کتبِ احناف میں بھی یہ مسئلہ موجود ہے، اب کونسی کسر باقی رہ گئی ہے کہ صاحبِ قنیہ کا نام لے لے کر ڈرایا جارہا ہے۔

اگر کوئی معتزلی ایسی بات کہے جس کا روایت حدیث سے ثبوت ہو، صحابہؓ اور تابعین یا تبع تابعین، (مولانا عبدالرحمٰن صاحب کی تحقیق کے مطابق) (۱) کا عمل بھی موجود ہو، تو کیا اس بنیاد پر اسے چھوڑ دیا جائے گا۔ کہ ایک معتزلی نے بھی وہی بات کہدی ہے؟!

یہاں اس بات کا ذکر بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ کچھ عرصہ پہلے غیر مقلد ایک غیر مقلد عالم کا ۱۶ صفحے کا کتابچہ تقسیم ہوا تھا جس کا نام تھا ”دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا بدعت ہے“، علم و عقل کے اعتبار سے اس قسم کے بیشمار افراد کو ہم انتہائی قابلِ رحم سمجھتے ہوئے ان کی طرف ادنیٰ توجہ بھی فضول سمجھتے ہیں۔

بخاری کا ترجمۃ الباب

بخاری کے ترجمۃ الباب ”باب المصافحہ“ اور ”باب الاخذ بالیدین“ کو بھی

---

(۱) گزر چکا ہے کہ مولانا عبدالرحمٰن صاحب نے حضرت حماد بن زیدؒ اور حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کو تبع تابعی قرار دیا ہے۔

غیر مقلد علماء نے طرح طرح موضوعِ بحث بنایا ہے اور امام بخاریؒ کے نقطۂ نظر کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے کی ناکام کوشش کی ہے، آیئے اس پر بھی ایک نظر ڈالیں

سب سے پہلے یہ ذہن میں رکھئے کہ ”باب المصافحہ“ (مصافحہ کا بیان) تو مصافحہ سے متعلق ہے ہی، ”باب الاخذ بالیدین“ (دونوں ہاتھ پکڑنے کا بیان) بھی مصافحہ سے ہی متعلق ہے، حماد بن زیدؒ کے مصافحہ کا تذکرہ امام بخاریؒ نے اسی باب میں کیا ہے، مشہور غیر ملقد عالم مولانا عبدالمتین میمن جوناگڈھی کو بھی تسلیم ہے کہ یہ دونوں باب مصافحہ سے ہی متعلق ہیں، لکھتے ہیں

> ”ہم امام بخاریؒ کا طرز استدلال بھی بتائیں گے اور جوانھوں نے مصافحہ کے بارے میں دو باب باندھے ہیں اس کی اصل عبارت مع ترجمہ دیتے جائیں گے الخ
>
> (حدیث خیر و شر ص ۱۹۳)

اب آیئے اصل بات کی طرف۔

امام بخاریؒ نے باب المصافحہ میں کل چار حدیثیں نقل کی ہیں۔

پہلی حدیث یہ ہے۔

قال ابن مسعودؓ علمنی النبی ﷺ التشهد و كفى بين كفيه

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے تشہد سکھایا، حال یہ کہ میری ہتھیلی، آپ ﷺ کی دونوں ہتھیلیوں کے درمیان تھی۔

سوچئے! امام بخاریؒ کے نزدیک اس حدیث سے مصافحہ کا ثبوت ہے جبھی تو باب المصافحہ کی چار حدیثوں میں سے پہلے نمبر پر بیان کیا، اور دیکھئے اس میں کیفیتِ مصافحہ بھی موجود ہے یعنی كفى بين كفيه ۔

دوسری حدیث یہ ہے

وقال كعب بن مالك دخلت المسجد فإذا برسول الله ﷺ فقام الى طلحة بن عبيدالله يهرول فصافحني وهنأني

حضرت کعب بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ میں مسجد میں داخل ہوا تو رسول اللہ ﷺ وہاں تشریف فرما تھے، پس طلحہ بن عبید اللہؓ میرے پاس دوڑتے ہوئے آئے، انھوں نے مجھ سے مصافحہ کیا اور مبارک باد دی۔

یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب حضرت کعب بن مالکؓ کی توبہ قبول ہوئی تھی اور ان کے مسجد نبوی میں آنے پر حضرت طلحہؓ نے ان سے مصافحہ کیا۔ اس حدیث میں صرف مصافحہ کرنے کا بیان ہے، مصافحہ کا طریقہ اور کیفیت بیان نہیں۔

تیسری حدیث یہ ہے

عن قتاده قلت لانس اكانت المصافحه فى اصحاب النبى ﷺ قال نعم.

قتادہؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انسؓ سے سوال کیا کہ کیا رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں مصافحہ تھا؟ انھوں نے جواب دیا۔ ہاں۔

اس حدیث میں بھی کیفیتِ مصافحہ مذکور نہیں۔

چوتھی حدیث یہ ہے

عن عبدالله بن هشام قال كنا مع النبى ﷺ وهو اخذ بيد عمر بن الخطاب .

حضرت عبداللہ بن ہشامؓ کہتے ہیں کہ ہم لوگ، حضور ﷺ کے ساتھ تھے، حال یہ کہ آپؐ، عمر بن خطابؓ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے۔

اس حدیث میں نہ لفظِ مصافحہ ہے نہ کیفیتِ مصافحہ، صرف اتنا ذکر ہے کہ ایک

مرتبہ راوی نے حضور ﷺ کو حضرت عمرؓ کا ہاتھ پکڑے ہوئے دیکھا، لیکن یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ہاتھ کس لئے پکڑا تھا؟ مصافحہ کے لئے، یا کسی اور غرض سے، مثلاً اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے، کیوں کہ ہاتھ پکڑنا بغیر مصافحہ کے بھی ہوتا ہے، (۱) خاص طور سے اس وقت جب کسی کو بہت زیادہ اپنی طرف متوجہ کرنا ہو۔ اور یہ بھی نہیں پتہ چلتا کہ حضورؐ نے حضرت عمرؓ کا ایک ہاتھ پکڑا تھا یا دونوں، اور ایک ہاتھ سے پکڑا تھا یا دونوں ہاتھ سے۔

چوتھے نمبر کی حدیث سے چونکہ یہی شبہ ہو رہا تھا اور اسی شبہ کی وجہ سے اسے یقینی طور پر باب المصافحہ کے تحت لانا صحیح نہیں تھا، اس لئے امام بخاریؒ نے اس حدیث کے ختم ہوتے ہی فوراً ایک اور باب قائم کیا

باب الأخذ باليدين وصافح حماد بن زيد ابن المبارك بيديه	مصافحہ میں دونوں ہاتھ پکڑنے کا (صریح) بیان اور یہ کہ حماد بن زیدؒ نے عبداللہ بن مبارکؒ سے اپنے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا۔

الگ سے دونوں ہاتھوں کی صراحت کی ضرورت اس لئے تھی کہ چوتھی حدیث سے مصافحہ یا غیر مصافحہ اور ایک ہاتھ یا دو ہاتھ کا جو شبہ پیدا ہو رہا ہے اس کا ازالہ ہو جائے اور یہ بات سامنے آجائے کہ جب ہاتھ پکڑنا مصافحہ کے لئے ہوتا تھا تو دونوں ہاتھ پکڑے جاتے تھے۔

حافظ بن حجر عسقلانی شافعیؒ اِس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے کہ جب باب المصافحہ کی چوتھی حدیث میں صرف اتنا ذکر ہے کہ حضورؐ نے حضرت عمرؓ کا ہاتھ پکڑا تھا

---

(۱) اس قسم کی احادیث ص ۸۳ پر ملاحظہ فرمائیں۔

پکڑا تھا اور ہاتھ پکڑنے سے یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ مصافحہ کے طور پر تھا یا بغیر مصافحہ کے، تو پھر امام بخاریؒ نے اس چوتھی حدیث کو باب المصافحہ کے تحت کیوں رکھا، فرماتے ہیں:

ووجه ادخال هٰذاالحديث فی المصافحة ان الاخذ باليديستلزم التقاء صفحة اليدبصفحة اليد غالباً ومن ثم افردها بترجمة تلی هٰذهِ لجوازوقوع الأخذ باليدمن غيرحصول المصافحة (فتح الباری ج١١ص٥٥)	اس حدیث کو مصافحہ کے باب میں داخل کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ہاتھ پکڑنا زیادہ تر مستلزم ہے اس بات کو کہ ایک کی ہتھیلی، دوسرے کی ہتھیلی سے ملے، اسی وجہ سے مصافحہ (کی کیفیت) کو الگ سے بیان کیا۔ اُس عنوان سے جو اِس باب سے ملا ہوا ہے، کیوں کہ ممکن ہے کہ (یہاں پر) ہاتھ پکڑنا بغیر مصافحہ کے ہوا ہو۔

یہاں یہ بات غور کرنے کی ہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی یہ عبارت فتح الباری میں باب المصافحہ کی چوتھی حدیث کے فوراً بعد آئی ہے اور لفظ هٰذا سے اُسی چوتھی حدیث کی طرف صاف اشارہ بھی موجود ہے۔ اس کے بعد حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بخاری کا باب الأخذ باليدين نقل کر کے اس پر کلام کیا ہے۔

گویا حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی اِس عبارت کو بخاریؒ کے باب الأخذ باليدين وصافح حمادبن زيد ابن المبارک بيديه کے بعد آنے والی درج ذیل حدیث کے ساتھ کسی طرح نہیں جوڑا جا سکتا۔

ابو معمرقال سمعت ابن مسعود يقول علمنی البنی ﷺ وکفی بين کفيه التشهد کمايعلمنی	ابو معمرؒ کہتے ہیں کہ میں نے سنا عبداللہ بن مسعودؓ کو کہ وہ فرمارہے تھے کہ سکھایا مجھے رسول اللہ ﷺ نے تشہد جیسا کہ سکھاتے

السورة من القرآن التحيات لله. الخ

تھے مجھ کو قرآن کی سورت، اور اس وقت میری ہتھیلی، حضورؐ کی دونوں ہتھیلیوں کے درمیان تھی۔ التحیات للہ والصلوات الخ

حافظ ابن حجر عسقلانی ؒ کی اسی توضیح کی روشنی میں بخاری کا یہ حاشیہ بھی دیکھنا چاہیے۔

ولما كان الأخذباليد يجوز ان يقع من غير مصافحة افرده بهذاالباب كذافي الفتح والقسطلانی (بخاری ج۲ ص۹۲۶ حاشیه نمبر۶)

جب کہ ہاتھ کا پکڑنا بغیر مصافحہ کے بھی ممکن تھا تو (خاص طور سے مصافحہ کی کیفیت کو بیان کرنے کے لئے) اس باب (باب الأخذ بالیدین) کو الگ سے لائے، ایسے ہی فتح الباری اور قسطلانی میں ہے۔

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اس حاشیہ میں بھی "الأخذ بالید" موجود ہے اور باب المصافحہ کی چوتھی حدیث (حضرت عمرؓ کے واقعہ والی) میں بھی اخذ بید عمر بن الخطاب کے الفاظ ہیں۔ یعنی دونوں جگہ لفظ "ید" واحد آیا ہوا ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو "أخذ بالید" (ہاتھ کو پکڑنا) بغیر مصافحہ کا امکان رکھتا ہے وہ وہی ہے جہاں لفظ "ید" واحد آیا ہوا ہے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں سرے سے لفظ "ید" ہی نہیں، بلکہ اس کے الفاظ كفي بين كفيه ہیں، لہٰذا شارحینِ بخاری کے بیان کے مطابق ابن مسعودؓ کی روایت میں غیرِ مصافحہ کا امکان نکل ہی نہیں سکتا۔ یہ امکان صرف باب المصافحہ کی چوتھی حدیث میں ہے۔

علماء غیر مقلدین اور یہ حرکتیں

بخاری کے دونوں ابواب اور حاشیۂ بخاری سے متعلق غیر مقلد علماء کی دو خیانتوں

کا ذکر کرنا یہاں بے حد ضروری ہے۔

پہلی خیانت تو ان حضرات نے یہ کی ہے امام بخاریؒ کا مقصد بالکل الٹ دیا ہے۔ امام بخاریؒ کچھ کہہ رہے ہیں، یہ کھینچ تان کے کچھ نکال رہے ہیں۔

مولانا عبدالمتین میمن جوناگڈھی حدیثِ ابن مسعودؓ کے متعلق لکھتے ہیں

> "جب مصافحہ کے باب میں یہ حدیث موزوں نہیں رہی تو اس کے لئے امام بخاریؒ نے الگ سے ایک باب باندھ دیا کہ مصافحہ کے لئے یہ دونوں ہاتھ میں ایک ہاتھ تھامنا اگر صحیح نہیں ہے تو دوسرے مقصد کے لئے اس طرح ہاتھ پکڑنا بالکل جائز ہے۔"
>
> (حدیث خیر و شر ص ۱۹۷)

اسی سے ملتی جلتی بات مولانا عبدالرحمٰن صاحب نے بھی لکھی ہے۔

(دیکھئے المقالۃ الحسنیٰ ص ۴۱)

گویا امام بخاریؒ کا مقصد باب الأخذ بالیدین کے قائم کرنے سے یہ ہے کہ باب المصافحہ کی چار حدیثوں میں سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی کفی بین کفیہ والی حدیث مصافحہ کے ثبوت کے لئے موزوں نہیں ہے۔ البتہ دیگر مقاصد کے لئے اس طرح ہاتھ پکڑنا جائز ہے۔

لیکن امام بخاریؒ کی طرف اس بات کا انتساب سراسر اتہام ہے، بخاری کی کسی شرح میں باب الأخذ بالیدین قائم کرنے کا یہ مطلب نہیں بتایا گیا جو علمائے غیر مقلدین نے اپنی طرف سے گڑھ لیا ہے۔

باب المصافحہ کی چار حدیثوں میں سے سب سے پہلی حدیث یہی عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث ہے، امام بخاریؒ کے نزدیک تو مصافحہ کے ثبوت کے لئے اس حدیث کی

اتنی اہمیت ہو کہ وہ باب المصافحہ کی چار حدیثوں میں سب سے پہلے اسی کو لائیں اور ہمارے اہل حدیث علماء فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ کے نزدیک یہ حدیث مصافحہ کے لئے موزوں نہیں رہی تو انھوں نے الگ سے ایک دوسرا باب قائم کر دیا۔

اِن حضرات کو یہ بھی غور کرنا چاہئے کہ اس دوسرے باب میں تو عبداللہ بن مسعودؓ کی یہی حدیث موجود ہے، اس کے علاوہ حضرت حماد بن زیدؒ اور حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے دو ہاتھ سے مصافحہ کا صریح عمل بھی، پھر آخر یہ لنگڑی لولی تاویلات کہاں تک چلیں گی۔ اور ہم اس بحث کے شروع میں بتا آئے ہیں کہ خود مولانا عبدالمتین میمن صاحب کے نزدیک بخاری کے یہ دونوں ہی باب مصافحہ سے ہی متعلق ہیں، پھر وہ یہاں دوسرا امکان کیسے پیدا کر رہے ہیں۔

ان حضرات نے دوسری خیانت یہ کی کہ حاشیۂ بخاری کے الفاظ ”الأخذ بالید“ کو ”الأخذ بالیدین“ کر دیا۔ ظاہر ہے کہ ”ید“ واحد کو ”یدین“ تثنیہ بنا دینے میں مفہوم میں جو زبردست تبدیلی پیدا ہو جائے گی وہ اہل علم پر مخفی نہیں۔ ہم نہیں سمجھتے کہ ان حرکتوں سے علماء اہل حدیث کا وقار بلند ہوگا۔

دیکھئے ”دو ہاتھ سے مصافحہ کی شرعی حیثیت“ نامی کتابچہ کا ص ٢٦، افسوس تو یہ ہے کہ بایں فضل وکمال، یہی کام مولانا عبدالرحمٰن صاحب محدث مبارکپوریؒ نے بھی کیا ہے۔ دیکھئے المقالۃ الحسنٰی فی سنۃ المصافحۃ بالید الیمنیٰ ص ٤٦ طبع جدید۔

مولانا عبدالمتین میمن صاحب نے عبارت تو صحیح نقل کی، مگر ”الأخذ بالید“ کا ترجمہ ”ہاتھ کا پکڑنا“ کے بجائے ”ہاتھوں کا پکڑنا“ کیا، اس سے مولانا کیا فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں، اہلِ نظر خوب جانتے ہیں۔

غرض ہر ایک نے کوئی نہ کوئی حرکت ضرور کی، اصل حالت پر چھوڑنا کسی کو گوارا نہ ہوا۔

بخاری کے نسخے

اِن حرکتوں کا سلسلہ ابھی بند نہیں ہوا۔ اور آگے چلئے، مولانا عبدالرحمٰن صاحبؒ لکھتے ہیں

> ”اس باب میں لفظ ”بالیدین“ کی بابت صحیح بخاری کے نسخے متفق نہیں ہیں، بعض میں ”بالیدین“ بصیغۂ تثنیہ واقع ہوا اور بعض میں ”بالید“ بصیغہ واحد واقع ہوا ہے۔ چنانچہ ابوذر اور مستملی کے نسخہ میں بصیغہ واحد ہی واقع ہے (دیکھو شروح بخاری) بلکہ بعض نسخوں میں ”بالیمین“ واقع ہوا ہے“ (المقالۃ الحسنٰی ص ۴۵)

مولانا کی یہ بات دراصل بخاری کی شرح فتح الباری اور عمدۃ القاری کی درج ذیل عبارتوں سے ماخوذ ہے۔

قوله (باب الأخذ باليد) كذا في رواية ابى ذر عن الحموى والمستملى وللباقين "باليدين" وفى نسخة "باليمين" وهو غلط (فتح الباری ج ۱۱ ص ۵۶)	امام بخاریؒ کا قول ”باب الأخذ بالید“ (واحد) ایسے ہی ابوذرؒ کی روایت میں حموی اور مستملی سے منقول ہے، باقی راویوں نے ”بالیدین“ (تثنیہ) نقل کیا ہے، اور ایک نسخہ میں ”بالیمین“ (دایاں ہاتھ) واقع ہے جو کہ غلط ہے،
قوله (الأخذ باليدين) رواية الاكثرين وفى رواية ابى ذر عن الحموى والمستملى الأخذ باليد	امام بخاریؒ کا قول ”باب الاخذ بالیدین“ (تثنیہ) اکثر راویوں کی روایت ہے، اور ابوذر کی روایت میں جو کہ حموی اور

بالافراد وماوقع فی بعض النسخ بالیمین فلیس بصحیح . (عمدة القاری ج ۲۲ ص ۲۵۳ نیز دیکھئے حاشیہ بخاری ج ۲ ص ۹۲۶۔)	اور مستملی سے منقول ہے اس میں "الاخذ بالید" (واحد) آیا ہوا ہے۔ اور جو بعض نسخوں میں "بالیمین" (دایاں ہاتھ) آیا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔

اِن تمام عبارتوں میں یمین والے نسخہ کی بابت صاف موجود ہے کہ وھو غلط (وہ غلط ہے) یافلیس بصحیح (یمین والا نسخہ صحیح نہیں) لیکن مولانا عبدالرحمٰن صاحب کی "دیانت" دیکھئے کہ انھوں نے پوری بات نقل کی، مگر یہی بات چھوڑ دی اور صرف اتنا کہہ کر گزر گئے کہ "بلکہ بعض نسخوں میں "بالیمین" واقع ہوا ہے"۔

ماہنامہ "محدث" بنارس کے مضمون نگار نے حاشیۂ بخاری سے "وھو غلط" کے الفاظ تو نقل کئے مگر اس کا ترجمہ چھوڑ دیا۔ (شمارہ فروری ۸۶ء ص ۳۲)

کچھ صاحبان اور دور کی کوڑی لائے، انھوں نے کہنا شروع کر دیا کہ "یدین" تثنیہ، بخاری کے صرف ہندوستانی نسخوں میں ہے، غیر ہندی نسخوں میں "ید" واحد ہی آیا ہوا ہے۔ دیکھئے "دو ہاتھ سے مصافحہ کی شرعی حیثیت" ص ۳۶ اور ماہنامہ محدث ماہ فروری ۸۶ء ص ۳۲۔

مگر اِن صاحبان کی بات بوجہ ذیل غلط ہے

(۱) فتح الباری، عمدة القاری اور حاشیۂ بخاری کے حوالہ سے گزر چکا ہے کہ بخاری کے اکثر نسخے "یدین" ہی کے ساتھ ہیں، "ید" کا نسخہ صرف ایک ہے اور وہ ہے ابوذر کا نسخہ حموی اور مستملی سے۔ ان حوالجات میں ہندی، غیر ہندی کی کوئی تقسیم نہیں۔

(۲) حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اور علامہ بدرالدین عینیؒ نے بخاری کی شرح اس

وقت لکھی ہے جب بخاری غالباً ہندوستان میں چھپنی بھی نہ شروع ہوئی تھی۔ پھر انھیں ہندوستانی نسخہ کیسے ملا؟ انھوں نے "یدین" کی بنیاد پر حدیث کی شرح کیسے کر ڈالی؟

اہم بات یہ ہے کہ "ید" کا نسخہ ہمارے موقف کے ذرا بھی خلاف نہیں۔ بلکہ اس سے ہمیں اور تقویت ہوئی ہے۔ کیوں کہ باب ہے "باب الاخذ بالید" اور آگے کی عبارت ہے، **وصافح حماد بن زید ابن المبارک بیدیه** (حماد بن زیدؒ نے عبداللہ بن مبارکؒ سے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا) یعنی اس عبارت میں "یدین" (تثنیہ) ہے۔ گویا ترجمۃ الباب میں "ید" اسم جنس ہے، اور "یدین" کی جگہ استعمال ہوا ہے(۱) ورنہ اگر یہ بات صحیح نہ ہو تو ترجمۃ الباب اور حماد بن زیدؒ کے واقعہ نیز اس کے بعد آنے والی عبداللہ بن مسعودؓ کی **کفی بین کفیه** کی روایت میں مناسبت باقی نہ رہے گی۔

ایک ہاتھ کے مصافحہ کی کہیں صراحت نہیں

بہر حال بخاری شریف میں جس صراحت کے ساتھ دو ہاتھ کے مصافحہ کو بیان کیا گیا ہے، ایک ہاتھ کے مصافحہ کی، بخاری تو کیا، کسی بھی حدیث کی کتاب میں صراحت نہیں۔ کسی محدث نے ایک ہاتھ کے مصافحہ کا باب نہیں باندھا، کسی محدث نے کسی صحابی، تابعی یا تبع تابعی کا ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنے کا عمل نہیں دکھایا۔

علماء غیر مقلدین عام طور پر بیعت کی حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں۔ لیکن ہر شخص جانتا ہے کہ بیعت اور مصافحہ الگ الگ چیزیں ہیں، مصافحہ روزانہ ہوتا ہے یا ہو سکتا ہے اور ایک دن میں بار بار ہو سکتا ہے، بیعت نہ ہر روز ہوتی ہے نہ بار بار ہوتی

---

(۱) اسم جنس کی تفصیلی بحث ص ۳۶ پر آرہی ہے۔

ہے، پھر یہ کہ تمام محدثین نے مصافحہ کا باب الگ باندھا ہے، اور بیعت کا الگ ۔ اگر دونوں چیزیں ان حضرات کے نزدیک ایک ہوتیں تو سے علحدہ علیحدہ نہ ذکر کرتے ، سب نہ سہی، کوئی تو یکجا کرتا۔

ملاقات ہوئی، گفتگو ہوئی، دورانِ گفتگو ایک صحابی نے، دوسرے صحابی کا ہاتھ پکڑ لیا، غیر مقلد حضرات نے کہنا شروع کر دیا، لیجئے ایک ہاتھ کے مصافحہ کا ثبوت مل گیا۔ جبکہ یہ بھی وضاحت نہیں کہ ایک ہاتھ پکڑا تھا یا دونوں، چلتے چلتے کسی نے کسی کا ہاتھ پکڑ لیا، غیر مقلد علماء نے نیچے لکھ دیا ایک ہاتھ کا مصافحہ ثابت ہو گیا۔

یہی اس بات کی دلیل ہے کہ ایک ہاتھ کا مصافحہ ثابت نہیں ورنہ اپنی طرف سے لکھنے اور لفظ ’’ایک‘‘ بڑھانے کی ضرورت نہ پڑتی۔

◆

فریق ثانی کے دلائل کا جائزہ

چند اصولی باتیں

غیر مقلدین کے دلائل کا جائزہ لینے سے پہلے یہ چند اصولی باتیں قارئین کے گوش گزار کر دینا چاہتے ہیں تا کہ وہ اندازہ لگا سکیں کہ اِن حضرات کی اصل غلطی کیا ہے؟ اور وہ کس طرح خود بھی مغالطے میں ہیں اور دوسروں کو بھی مغالطے مین ڈال رہے ہیں۔

پہلی بات:- عربی زبان میں ”ہاتھ“ کا ترجمہ ”ید“ ہے، اور دائیں کے لئے لفظ ”یمین“ استعمال ہوتا ہے، لفظ ”ید“ اسم جنس ہے جس میں ”ایک ہاتھ“ اور ”دو ہاتھ“ دونوں کا ترجمہ پایا جاتا ہے اور یہ احتمال اس وقت تک ہوگا جب تک کسی خارجی دلیل سے کوئی ایک معنیٰ متعین نہ ہو جائے، جب تک کوئی ایک معنیٰ متعین نہ ہوگا، دونوں احتمال برابر درجے میں موجود رہیں گے، کسی احتمال کو ترجیح نہیں دی جا سکتی۔ لفظ ”کف“ جس کا معنیٰ ”ہتھیلی“ ہے اس کا بھی معاملہ یہی ہے۔

دوسری بات:- صراحۃً ایک ہاتھ کے لئے عربی میں ”ید واحدۃ“ کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں، یعنی لفظ ”ید“ نہیں، بلکہ اس کے ساتھ لفظ ”واحدۃ“ بھی، اسی طرح ایک ہتھیلی کے لئے ”کف واحد“ استعمال ہوتا ہے۔ اور صراحۃً دو ہاتھ کے لئے لفظ ”یدان“ اور ”یدین“ استعمال ہوتے ہیں، (اضافت کی صورت میں دونوں کے آخر سے ”نون“ گر جاتا ہے،) ”ید“ کی جمع ”ایدی“ اور ”ایادی“ آتا ہے۔

دائیں ہاتھ کی صراحت کے لئے لفظ "یمین" استعمال ہوتا ہے، بائیں کے لئے "یسار".

تیسری بات:- اگر کسی حدیث میں یہ آئے کہ فلاں موقع پر حضورؐ نے فلاں صحابی کا ہاتھ پکڑا، یا صحابی نے حضور کا ہاتھ پکڑا، یا صحابی نے صحابی کا ہاتھ پکڑا، تو اِس پکڑنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ مصافحہ تھا، کیوں کہ ہاتھ پکڑنا کئی طرح سے ہوتا ہے، کبھی اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے، کبھی محبت میں، کبھی مصافحہ کے لئے، لہٰذا جب تک کسی خارجی دلیل (مثلاً محدث کے بیان یا اس کے عنوان وغیرہ سے) کوئی ایک صورت متعین نہ ہو جائے، سارے احتمالات موجود رہتے ہیں۔ نہ کسی ایک احتمال کو ترجیح ہوتی ہے نہ کسی ایک احتمال پر اصرار درست۔

اس کے علاوہ ہاتھ پکڑنے سے یہ بھی لازم نہیں آتا کہ ایک ہی ہاتھ پکڑا تھا بلکہ ممکن ہے دونوں ہاتھ پکڑے ہوں، ممکن ہے ایک ہی پکڑا ہو۔ جب حدیث میں ایک یا دو کی صراحت نہ ہو اور کسی خارجی دلیل سے کسی احتمال کی تائید بھی نہ ہوتی ہو تو ایک ہاتھ یا دو ہاتھ پر اصرار کرنا، سراسر ضد اور عناد ہے۔

چوتھی بات:- ہاتھ پکڑنے کے واقعہ میں یہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ ہاتھ پکڑنے کا واقعہ ابتدائے ملاقات میں پیش آیا، یا درمیانِ ملاقات میں۔ گفتگو شروع ہونے سے پہلے، یا گفتگو شروع ہونے کے بیچ میں۔ دورانِ ملاقات یا درمیانِ گفتگو ہاتھ پکڑنا مصافحہ نہیں کہا جاتا، مصافحہ ملاقات کے وقت ہوتا ہے۔

پانچویں بات:- بیعت اور مصافحہ ایک چیز نہیں، کسی محدث نے بیعت اور مصافحہ دونوں کو نہ ایک کہا، نہ دونوں کی حدیثوں کو ایک باب میں جمع کیا، مثلاً بیعت

وہیں بیٹھے بیٹھے اچھی خاصی گفتگو کے بعد ہونے لگتی ہے۔ مصافحہ کا یہ طریقہ نہیں۔ مصافحہ زندگی میں بار بار ہوتا ہے، بلکہ ایک دن میں کئی بار ہوسکتا ہے، اور ہوتا ہے، بیعت بار بار نہیں ہوتی۔

چھٹی بات:- اگر لغوی اعتبار سے دو چیزیں ایک دوسرے کے مشابہ ہوں تو محض اِسی بنیاد پر حکم میں بھی دونوں ایک جیسی نہیں ہوسکتیں، حکم میں ایک دوسرے پر قیاس کے لئے علت کا اشتراک ضروری ہے، اگر دونوں میں علت ایک ہو تو حکم ایک ہوگا، علت دو ہو تو حکم بھی دو ہوگا، معنیٔ لغوی کا اشتراک، حکم کے اتحاد کے لئے مفید نہ ہوگا۔

لہٰذا مصافحہ اور بیعت میں معنیٔ لغوی کے اشتراک کے باوجود حکماً دونوں کو ایک دوسرے پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ کیوں کہ دونوں کے مقاصد اور علّتیں الگ الگ ہیں۔ (۱)

ساتویں بات:- کسی حکم کے لئے احادیث دو طرح کی پیش کی جاتی ہیں، ایک استدلالاً، دوسرے استشہاداً۔ استدلالاً کا مطلب یہ ہے کہ اس حدیث کو بنیاد بنا کر حکم لگایا جارہا ہے۔ اور استشہاداً کا مطلب یہ ہے کہ پہلے کسی حدیث سے وہ حکم واضح طور پر ثابت ہوچکا ہے، اب مزید تائید کے طور پر، بطور شاہد اور گواہ کے یہ بھی پیش کی جارہی ہے۔

حدیثِ استدلالی کا ہر قسم کے ضعف سے خالی ہونا ضروری ہے اور حدیثِ استشہادی کا ضعف سے خالی ہونا ضروری نہیں۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ حدیثِ استدلالی سے وہ حکم واضح طور پر ثابت ہوچکا ہو، ورنہ حدیثِ استشہادی سے اس حکم کی تائید و

---

(۱) تفصیلی بحث ص ۵۷ پر آرہی ہے۔

تقویت نہ ہو سکے گی، کیوں کہ جب اصل حکم ہی ثابت نہ ہو، پھر حدیثِ استشہادی سے توثیق وتائید کیسے ہوگی۔

درج بالا سات اصولی باتوں کو ذہن میں رکھئے ہماری اگلی بحث کا محور یہی امور ہیں کیوں کہ غیر مقلد حضرات کے سارے دلائل انھیں امور کے گرد گھوم رہے ہیں۔

’’ید‘‘ اور ’’کف‘‘ اسمِ جنس

’’ید‘‘ اور ’’کف‘‘ میں ایک اور دو کا معنیٰ

اصولی باتوں کے ضمن میں ہم لکھ چکے ہیں کہ ’’ید‘‘ اور ’’کف‘‘ عربی زبان میں یک ہاتھ اور دو ہاتھ دونوں کے لئے آتے ہیں۔

مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی فرماتے ہیں

> ’’لفظ ’’کف‘‘ واحد کے لئے نہیں بلکہ جنس کے معنیٰ میں ہے جس سے ایک سے زائد مراد ہوسکتا ہے لہٰذا کف سے دونوں ہاتھ مراد ہوں گے، اور اسی طرح لفظ ’’ید‘‘ کا استعمال محاوراتِ عرب، آیاتِ قرآنیہ و احادیثِ نبویہ میں بمعنیٰ جنس ثابت ہے۔ تو اِس صورت میں لفظ ’’ید‘‘ ایک اور دو ہاتھ کو متضمن اور شامل ہوگا۔ اور اکثر مقامات میں دو ید کے موقع پر لفظ ’’ید‘‘ آیا ہے۔ اس اعتبار سے جس حدیث میں اخذ بالید وارد ہے اس کی مراد ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا نہیں بلکہ وہاں دونوں صورتوں کا احتمال ہے کہ ایک ہاتھ سے ہو یا دو ہاتھ سے۔‘‘ (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحیٔ مبوب ص ۱۰۸)

اِس طرح کے الفاظ جو اِس قسم کا احتمال رکھیں، نحو کی اصطلاح میں اسمِ جنس ہلاتے ہیں جیسا کہ خود مولانا عبدالحیٔ صاحب نے بھی ’’جنس‘‘ کا لفظ استعمال کیا ہے۔

آیئے اچھی طرح سمجھیں کہ اسمِ جنس کیا ہے؟ اور اس کا کام کیا ہے؟

"ید" اسمِ جنس

اسم جنس کسے کہتے ہیں؟

"اسم جنس" وہ اسم کہلاتا ہے جو کسی ذاتِ مبہم پر دلالت کرے۔ چنانچہ اس کی تعریف یہ ہے

مایدل علیٰ ذات مبهمة کرجل وفرس.

ذاتِ مبہم پر دلالت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس میں عدد کی تعیین نہیں ہوتی، جیسے مثالِ مذکور میں "رجل" اور "فرس" عدد کے تعین کے بغیر جنسِ رجل اور جنسِ فرس پر دلالت کرتے ہیں، اس میں "رجل واحد" (ایک مرد) اور "جمیع رجال" (تمام مرد) دونوں کا بیک وقت احتمال موجود ہے اور یہ احتمال اس وقت تک رہے گا جب تک کسی خارجی دلیل سے دونوں میں سے کسی ایک کا تعین نہ ہو جائے۔

مثلاً لفظ "رجل" کے لئے یہ حدیث نبوی ملاحظہ کیجئے۔

عن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ نهیٰ عن السدل فی الصلوٰة وان يغطی الرجل فاه.

(ابوداؤد ج ۱ ص ۱۱۰)

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز میں "سدلِ ثوب" سے منع فرمایا ہے، (۱) اور اس بات سے بھی کہ آدمی اپنا منہ ڈھانک لے۔

دیکھئے اس حدیث میں لفظ "رجل" واحد استعمال ہوا ہے، اس کی جمع

---

(۱) "سدلِ ثوب" یعنی (کپڑے، چادر، رومال وغیرہ) کو سر اور کندھے پر اس طرح رکھنا کہ اس کے دونوں کنارے لٹکے رہیں۔

"رجال" آتی ہے، مگر یہاں لفظ "رجال" نہیں ہے، کوئی بھی شخص اس حدیث کا ترجمہ یہ بھی کرسکتا ہے کہ "ایک آدمی اپنا منہ نہ ڈھانکے"، حالانکہ یہاں لفظ "رجل" واحد استعمال ہوا ہے۔ اس کے باوجود "ایک" کا اضافہ اس میں صحیح نہیں ہے۔ بلکہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کوئی بھی نماز پڑھنے والا نماز میں اپنا منہ نہ ڈھانکے۔ خواہ وہ ایک شخص ہو، یا سارے اشخاص ہوں۔ گویا لفظ "رجل" نے بلا تعیین عددِ رجل کی ذاتِ مبہم پر دلالت کیا۔

لفظ "فرس" کو بھی اسی پر قیاس کر لینا چاہئے۔

یہیں سے "ید" کے معاملے کو سمجھ لیجئے کہ لفظ "ید" واحد ہونے کے باوجود، جب تک کوئی خارجی دلیل نہ ہو، "ید" کی ذاتِ مبہم پر دلالت کرے گا، یعنی اس میں "ایک ہاتھ یا دو ہاتھ" دونوں کا احتمال رہے گا۔ ترجمہ میں از خود "ایک" کا اضافہ صحیح نہیں ہوگا۔

بہر حال اسمِ جنس کے ذاتِ مبہم پر دلالت کرنے کی وجہ سے اس میں ایک فرد بھی مراد ہو سکتا ہے اور سارے افراد بھی، یعنی وہ عدد پر دلالت نہیں کرتا بلکہ فردِ واحد پر دلالت کرتا ہے، خواہ فردِ واحد حقیقی ہو یا حکمی، مثلاً ایک ہاتھ "ید" کا فردِ واحد حقیقی ہے اور "دو ہاتھ" فردِ واحد حکمی ہے، اسے فردِ واحد اعتباری بھی کہتے ہیں، مجموعے کے اعتبار سے، یعنی اک انسان کے دو ہاتھ مجموعے کے اعتبار سے حکماً فردِ واحد ہی ہیں۔ حقیقۃً فردِ واحد نہیں بلکہ دو فرد ہیں۔

اصول الشاشی میں ہے۔

وحکم اسم الجنس ان یتناول	اسم جنس کا حکم یہ ہے کہ عند الاطلاق ادنیٰ

الادنیٰ عند الاطلاق ویحتمل کل الجنس (ص۳۹)	کو شامل ہوتا ہے اور کلِّ جنس کا احتمال رکھتا ہے۔

اسمِ جنس کا مدلول حقیقتِ واحدہ ہے مگر وحدت کبھی اصلی ہوتی ہے جو ایک ہی فرد پر صادق آتی ہے اور کبھی اعتباری ہوتی ہے، جو تمام جنس کو شامل ہوتی ہے، پہلی کو وحدتِ حقیقی کہتے ہیں اور دوسری کو وحدتِ جنسی۔

نور الانوار میں ہے۔

وھولفظ فرد یقع علی الواحد ویحتمل الثلاث (ص ۱۵۳)	اور وہ (مصدرِ طلاق) لفظِ مفرد ہے، ایک پر واقع ہوتا ہے اور تین کا بھی احتمال رکھتا ہے۔

حاشیہ پر ہے

قولہ ویحتمل الخ فان الثلاث کل الجنس فھو واحد حکمی . (حاشیہ ۷ حوالہ مذکورہ)	اس لئے کہ تین (طلاق کے لئے) کل الجنس ہے (کیوں کہ تین طلاق سے زیادہ طلاق ہوتی ہی نہیں) لہٰذا وہ واحدِ حکمی ہے۔

چند اعتراضات کے جوابات

ایک اہلِ حدیث عالم ماہنامہ ”محدث“ بنارس میں لکھتے ہیں کہ اسمِ جنس تین معانی میں آتا ہے، اول وہ جس کے اجزاء باہم مشابہ ہوں جیسے پانی، مٹی، شہد وغیرہ۔ دوم وہ جو بغیر تاء کے آئے جیسے تمر وغیرہ۔ سوم وہ جو ذاتِ مبہم پر دلالت کرے جیسے رجل اور فرس۔

پھر حاشیہ فوائد ضیائیہ کی درج ذیل عبارت نقل کرتے ہیں

قوله رجل فإن الرجل ليس اسم جنس بالمعنيين المذكورين فلايقال لرجلان رجل ولالفرسان فرس بل يقال رجلان وفرسان، فهمااسما جنس يعني يدل علىٰ ذات مبهمة .

(قولہ رجل) اس لئے کہ ”رجل“ مذکورہ دونوں معانی کے اعتبار سے اسم جنس نہیں ہے۔ پس ”رجلان“ کو ”رجل“ اور ”فرسان“ کو ”فرس“ نہیں کہا جائے گا بلکہ ”رجلان“ اور ”فرسان“ کہا جائے گا۔ بلکہ وہ دونوں ذاتِ مبہم پر دلالت کرنے کے اعتبار سے اسم جنس ہیں۔

پھر یوں سوال کرتے ہیں

”اب اہلِ علم حضرات فیصلہ فرمائیں کہ احادیث میں وارد لفظ ”ید“ اور ”کف“ اسم جنس کی کس قسم میں داخل ہیں؟ اگر اسم جنس اول وثانی معنیٰ میں ہیں تو ان کا اسم جنس ہونا مسلم نہیں۔ اور اگر اسم جنس ثالث معنیٰ میں ہیں تو ”یدین“ کو ”ید“ اور ”کفین“ کو ”کف“ نہیں کہہ سکتے، جیسے ”رجلین“ اور ”فرسین“ کو ”رجل“ اور ”فرس“ نہیں کہہ سکتے۔ پس لفظ ”ید“ اور ”کف“ کا اطلاق ”دستِ واحد اور کفِ واحد“ پر ہوگا، دستہائے کثیرہ، وکفہائے عدیدہ پر نہیں ہوگا۔“(۱)

(شمارہ جنوری ۸۶ء ص ۴۲)

ہمارا جواب یہ ہے کہ لفظ ”ید“ اور ”کف“ کو جس طرح آپ اسمِ جنس کی پہلی دو قسموں میں داخل نہیں مانتے، ہم بھی نہیں مانتے، یہاں تک ہماری اور آپ کی بات ایک ہے، اس کے بعد ہمارا اور آپ کا اختلاف شروع ہوتا ہے، ہمارے نزدیک یہ دونوں

---

(۱) نیز دیکھئے دو ہاتھ سے مصافحہ کی شرعی حیثیت ص ۱۳

اسمِ جنس کی تیسری قسم میں داخل ہیں یعنی جو ذاتِ مبہم پر دلالت کرے اور ذاتِ مبہم پر دلالت کرنے کی تشریح ہم گزشتہ سطور میں تفصیل سے کر چکے ہیں۔

رہا آپ کا یہ اعتراض کہ اگر یہ اسم جنس کی تیسری قسم میں داخل ہیں تو "یدین" اور "کفین" کی جگہ "ید" اور "کف" استعمال نہیں ہوسکتا، جس طرح "رجلین" اور "فرسین" کی جگہ "رجل" اور "فرس" استعمال نہیں ہوسکتا۔

اِس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ "رجلین" اور "فرسین" کو "رجل" اور "فرس" اس لئے نہیں کہہ سکتے کہ "رجلین" اور "فرسین" لفظ "فرس" اور لفظ "رجل" کا نہ واحدِ حقیقی ہیں اور نہ اعتباری، واحدِ حقیقی تو اس لئے نہیں کہ ان کا واحد حقیقی "رجلِ واحد" اور "فرسِ واحد" ہے۔ اور واحدِ اعتباری اس لئے نہیں ہے کیوں کہ ان کا واحدِ اعتباری "جمیع رجال" اور "جمیع فروس" ہے۔

اس کے برعکس "یدین" اور "کفین" کے لئے "ید" اور "کف" استعمال کیا جاسکتا ہے، کیوں کہ "یدین" اور "کفین"، "ید" اور "کف" کے واحدِ اعتباری یا بالفاظ دیگر واحدِ حکمی ہیں۔ "ید" اور "کف" میں واحدِ حقیقی، "ید واحدہ" اور "کف واحدہ" اور واحدِ اعتباری "یدین" اور "کفین" دونوں کا بیک وقت احتمال موجود ہے۔ لہٰذا "رجل" اور "فرس" پر "ید" اور "کف" کو قیاس کرنا صحیح نہیں۔

ایک غیر مقلد عالم لکھتے ہیں

> "ہم کو یہ بھی تسلیم نہیں کہ لفظ "ید" اور "کف" ایسے اسم جنس ہیں کہ ان کا اطلاق بیک وقت قلیل و کثیر پر یکساں ہوتا ہے۔"

(دو ہاتھ سے مصافحہ کی شرعی حیثیت ص ۳۳)

یعنی ان کے بقول یہ بات غلط ہے کہ "یدین" اور "کفین" کے لئے "ید" اور "کف" استعمال کر سکتے ہیں، لیکن گھبرائیے نہیں! ابھی تھوڑی دیر میں آپ کے سامنے قرآن وحدیث سے ثبوت پیش کئے جائیں گے۔

محدث کے مضمون نگار صاحب نے اپنی اس عبارت

"یدین" کو "ید" اور "کفین" کو "کف" نہیں کہہ سکتے۔ جیسے "رجلین" اور "فرسین" کو "رجل" اور "فرس" نہیں کہہ سکتے۔"

سے تھوڑا سا مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے۔ بحث اس سے نہیں کہ "رجلین" اور "فرسین" کو "رجل" اور "فرس" کہہ سکتے ہیں کہ نہیں۔ بحث اس سے ہے کہ "رجلین" اور "فرسین" کی جگہ "رجل" اور "فرس" استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اسی طرح بحث یہ نہیں ہے کہ "یدین" اور "کفین" کو "ید" اور "کف" کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟ بحث صرف یہ ہے کہ "یدین" اور "کفین" کی جگہ "ید" اور "کف" استعمال کئے جا سکتے ہیں یا نہیں؟

مضمون نگار صاحب نے دونوں کی تردید کی ہے۔ ہم اول الذکر کی تردید کرتے ہیں اور ثانی الذکر کے استعمال کو صحیح کہتے ہیں۔ اور اول الذکر پر ثانی الذکر کے قیاس کو تسلیم نہیں کرتے، کیوں کہ دونوں کی نوعیت الگ الگ ہے، جیسا کہ واحدِ حقیقی اور واحدِ اعتباری کے ضمن میں تفصیل گزر چکی ہے۔

اس کے بعد مضمون نگار نے لکھا ہے کہ

"پس لفظ "ید" و "کف" کا اطلاق دست واحد وکف واحد پر ہوگا، دستہائے کثیرہ وکفہائے عدیدہ پر نہیں ہوگا۔"

مضمون نگار صاحب کو معلوم ہونا چاہئے کہ لفظ ‘‘ید’’ سے دستہائے کثیرہ اور لفظ ‘‘کف’’ سے کفہائے عدیدہ کوئی بھی مراد نہیں لیتا، کیوں کہ دستہائے کثیرہ اور کفہائے عدیدہ، ‘‘ید’’ اور ‘‘کف’’ کے نہ واحدِ حقیقی ہیں اور نہ واحدِ اعتباری۔ ‘‘ید’’ کا واحدِ حقیقی صرف ‘‘یدِ واحدہ’’ اور کف کا واحدِ حقیقی صرف ‘‘کفِ واحدہ’’ ہے۔ اور ‘‘ید’’ و ‘‘کف’’ کے واحد اعتباری ‘‘یدین’’ اور ‘‘کفین’’ ہیں کیوں کہ ہر ذوالید اور ہر ذوالکف کے پاس عیوبِ خِلقیہ سے پاک ہونے کی صورت میں دو ہی ہاتھ اور دو ہی ہتھیلیاں ہوتی ہیں۔

مگر جناب یہ کون کہتا ہے کہ اسم جنس کا اطلاق بیک وقت قلیل و کثیر سب پر ہوتا ہے، ہاں یہ ضرور کہا جاتا ہے اور صحیح کہا جاتا ہے کہ اسمِ جنس واحدِ حقیقی اور واحدِ اعتباری دونوں کا بیک وقت احتمال رکھتا ہے۔ مثلاً ‘‘ید’’ اسمِ جنس ہے۔ اس میں بیک وقت ‘‘واحدِ حقیقی’’ یعنی ایک ہاتھ اور واحدِ اعتباری یعنی ‘‘دو ہاتھ’’ دونوں کا احتمال موجود ہے۔ احتمال کا مطلب یہ ہے کہ دونوں بیک وقت مراد نہیں، گنجائش البتہ دونوں کی رہتی ہے اور کسی ایک کے تعین کے لئے دلیلِ خارجی کی ضرورت ہوتی ہے۔

محترم! آپ احتمال اور اطلاق کا بھی فرق نہیں سمجھتے اور اعتراض کا بھی شوق رکھتے ہیں۔ خوب۔

* * *

''ید'' دو ہاتھ کے معنیٰ میں

غیر مقلد رسالہ ماہنامہ ''محدث'' بنارس کے غیر مقلد مضمون نگار (۱) کو شدت کے ساتھ اصرار ہے کہ قرآن وحدیث میں لفظ ''ید'' ایک ہی ہاتھ کے لئے آیا ہے۔ اور جہاں پر ایک سے زائد ہاتھ مراد ہیں وہاں ''ید'' تثنیہ وجمع لایا گیا ہے۔ لکھتے ہیں

''احادیث نبویہ میں بھی لفظ ''ید'' دستِ واحد ہی کے لئے آیا ہے۔''

(محدث مارچ ۸۶ء، ص ۲۹)

دوسرے صفحہ پر لکھتے ہیں

''حقیقت یہ ہے کہ جہاں پر ایک سے زائد ہاتھ مقصود ہوتے ہیں وہاں پر قرآن میں بھی اور احادیث میں بھی ''ید'' کو تثنیہ وجمع لایا جاتا ہے۔'' (حوالہ مذکورہ ص ۳۰)

ہمارا دعویٰ ہے کہ مضمون نگار کی بات بالکل غلط ہے، قرآن وحدیث میں ''ید'' ایک ہاتھ کے لئے بھی آیا ہے اور دو ہاتھ کے لئے بھی، اس قسم کی مثالیں قرآن وحدیث میں جا بجا موجود ہیں، غیر مقلد علماء کے لئے بالعموم اور مضمون نگار موصوف کے لئے

---

(۱) ماہنامہ ''محدث'' ہندوستان میں غیر مقلد حضرات کے سب سے بڑے مدرسہ مرکزی دار العلوم بنارس کا ترجمان ہے، اس رسالہ میں مصافحہ کی شرعی حیثیت وکیفیت کے عنوان سے ایک مضمون چار قسطوں میں شائع ہوا، رسالہ کے نزدیک مضمون کی اہمیت کا پتہ اس سے چلتا ہے کہ اسے تحسین آمیز ادارتی نوٹ کے ساتھ شائع کیا گیا ہے، یہ مضمون رسالہ کے دسمبر ۸۵ء تا مارچ ۸۶ء کل چار شماروں میں شائع ہوا۔

بالخصوص، چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں، وہ ذرا غور سے دیکھیں کہ ”ید“ کو ایک سے زائد ہاتھ (یعنی دو ہاتھ) کے لئے لایا گیا ہے یا نہیں۔

قرآن سے ثبوت

سورۂ مائدہ میں ہے

وقالت الیھوُ دُ یَدُاللّٰہِ مَغۡلُوۡلَۃٌ غُلَّتۡ
اَیۡدِیۡھِمۡ وَ لُعِنُوا بِمَا قَالُوا بَلۡ یَدَاہُ
مَبۡسُوۡطَتَانِ یُنۡفِقُ کَیۡفَ یَشَاءُ.

(پ ۶، رکوع ۱۳)

”اور یہود نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ بند ہو گیا ہے، انھیں کے ہاتھ بند ہیں۔ اور اپنے اس کہنے سے یہ رحمت سے دور کر دیئے گئے ہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے تو دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں، جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے۔“

اِس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ پہلے یہود دولتمند تھے، جب انھوں نے نبی کریم ﷺ کی تکذیب کی تو ان کے رزق میں تنگی ہو گئی لہٰذا انھوں نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں کہنا شروع کر دیا کہ نعوذ باللہ، اللہ تعالیٰ کا ہاتھ بند ہو گیا ہے اس لئے وہ اب کشادگی سے رزق نہیں دیتا۔ (جلالین ج ۱ ص ۱۰۳)

بلاشبہہ یہود نے یَدُاللّٰہِ مُغۡلُوۡلَۃ (اللہ تعالیٰ کا ہاتھ بند ہو گیا ہے) کہہ کر اللہ تعالیٰ کو (نعوذ باللہ) بخیل کہنا چاہا ہے، جیسا کہ آیت کا واضح مفہوم یہی ہے مگر قابلِ غور بات یہ ہے کہ کیا ”یداللّٰہ“ (اللہ کے ہاتھ) سے یہود نے یہ مراد لیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا ایک ہاتھ بند ہے اور ایک ہاتھ کھلا ہے؟ نہیں بلکہ مقصد یہ ہے اللہ تعالیٰ کو مکمل طور پر بخیل ثابت کریں اور یہ چیز اسی وقت ثابت ہوگی جب ”یداللّٰہ“ میں ”ید“ سے اسم جنس مراد لے کر دونوں ہاتھوں کا بند ہونا ثابت کیا جائے اور چونکہ یہود، اللہ تعالیٰ

کو (معاذ اللہ) مکمل طور پر بخیل ثابت کرنا چاہتے تھے اور "یداللہ" سے اللہ کے دونوں ہاتھوں کا بند ہونا مراد لے رہے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نے تردید میں صاف صاف کہہ دیا کہ انھیں کے ہاتھ بند ہیں، اللہ تعالیٰ کے تو دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ آج بھی کشادگی سے دے رہا ہے، ان پر رزق کی تنگی خود ان کے اعمال کی بدولت ہے۔

غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوا بِمَا قَالُوْا بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوْطَتَانِ. (مائدہ پ ٦)

انھیں کے ہاتھ بند ہیں اور اپنے اس کہنے سے یہ رحمت سے دور کر دیئے گئے ہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے تو دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں۔

اگر یہود نے "ید" سے دونوں ہاتھ مراد نہیں لئے تھے تو پھر آخر اللہ تعالیٰ نے تردید کے وقت اپنے دونوں ہاتھوں کے کھلے ہونے کی بات کیوں کہی؟۔

حقیقت یہ ہے کہ یہود نے اسمِ جنس بول کر ابہام کے پردے میں دونوں ہاتھ مراد لئے، اللہ تعالیٰ نے، جو کہ دلوں کے بھید کو جاننے والا ہے، یہود کی ذہنیت کو صریح لفظ لا کر آشکارا کر دیا۔

حدیث سے ثبوت

قرآن کی صرف ایک مثال پر اکتفاء کر کے ہم اب احادیثِ کریمہ پیش کریں گے اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ غیر مقلد حضرات قرآن کا نام کم، اور حدیث کا نام بہت لیتے ہیں، لہٰذا ان کی رعایت میں، انھیں کے لئے حدیث سے متعدد ثبوت پیش کئے جا رہے ہیں۔

پہلا ثبوت :- حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ

نھیٰ رسول اللہ ﷺ ان یجلس الرجل فی الصلوٰۃ وھو معتمد علیٰ یدہٖ (ابوداؤد ج ۱ ص ۱۵۸)

رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ آدمی نماز میں بیٹھے، حال یہ کہ وہ ٹیک لگائے ہوئے ہو اپنے ہاتھ پر۔

حدیث میں لفظ ”ید“ استعمال ہوا ہے، اور مطلب یہ ہے کہ نماز میں بیٹھے ہوئے ایک ہاتھ اور دو ہاتھ، دونوں پر ٹیک لگانے کی ممانعت ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ ایک پر ٹیک لگانے کی ممانعت ہے، دو پر نہیں چنانچہ بعض میں ”یدیہ“ (تثنیہ) موجود بھی ہے اور اس سے ملتی جلتی کئی روایات بھی موجود ہیں، دیکھئے ابوداؤد ج ۱ باب **کراھیۃ الاعتماد علیٰ الید فی الصلوٰۃ** ص ۱۵۸۔

دووسرا ثبوت :- ام امؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ

قال لی النبی ﷺ ناولینی الخمرۃ من المسجد فقلت اِنّی حائض فقال ان حیضتک لیست فی یدک (مسلم ج ۱ ص ۱۴۳)

رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے مسجد کے اندر سے فرمایا، جائے نماز دیدو، میں نے عرض کیا میں حائضہ ہوں، حضورؐ نے فرمایا ”تمہارا حیض تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے۔“

حضورؐ کے اس فرمان ”تمہارا حیض تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے“ کا بھی آج تک کسی نے یہ مطلب نہیں بتایا کہ ”ید“ یہاں ”ایک ہاتھ“ کے معنیٰ میں ہے اور مراد یہ ہے کہ تمہارا حیض تمہارے ایک ہاتھ میں نہیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ حیض تمہارے دونوں ہاتھوں میں سے کسی میں نہیں، جس ہاتھ سے چاہو، بڑھا کر دیدو۔ حیض آنے کا یہ مطلب نہیں کہ انسان کے ظاہری اعضاء (ہاتھ پاؤں) بھی ناپاک ہوں۔

تیسرا ثبوت:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا

اذا افضیٰ احدکم بیدہ الیٰ ذکرہ لیس بینہ وبینہا شیء فلیتوضأ رواہ الشافعی والدارقطنی

جب تم میں سے کوئی اپنا ہاتھ اپنے عضو تناسل سے اس طرح لگائے کہ کوئی چیز حائل نہ ہو تو اسے وضو کرنا چاہئے۔

(مشکوٰۃ ج ۱ ص ۴۱)

یہ حدیث طلق بن علی اور دیگر صحابہؓ کرام کی روایات سے منسوخ ہے دیکھئے (مرقات ج ۱ ص ۳۷۹) ہماری بحث صرف لفظ "ید" سے ہے، اور اس اعتبار سے بھی ہے کہ علماء اہل حدیث مس ذکر سے وضو ٹوٹ جانے کے قائل ہیں (۱)

حدیث میں لفظ "ید" واحد استعمال ہوا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا ایک ہاتھ سے چھونے سے وضو ٹوٹے گا، یا ایک ہاتھ یا دو ہاتھ جس سے چھوئے وضو ٹوٹ جائے گا؟

چوتھا ثبوت:- مؤطا امام مالک میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا قول ان الفاظ میں موجود ہے

قبلة الرجل امرأته وجسها بیدہ من الملامسة ومن قبل امرأته وجسها بیدہ فعلیه الوضو.

(ص ۱۶)

مرد کا اپنی بیوی کو بوسہ دینا اور اسے چھونا "ملامست" میں سے ہے (۲) جس نے اپنی بیوی کا بوسہ لیا ہو یا اسے اپنے ہاتھ سے چھوا ہو اس پر وضو ہے۔

ہمارے نزدیک یہ نواقضِ وضو میں سے نہیں یہ استحبابی اور احتیاطی حکم ہے، تفصیل مرقات المفاتیح ج ۱ ص ۲۸۱ پر ملاحظہ کیجئے۔ مگر اہل حدیث حضرات اس قول کے

---

(۱) ملاحظہ ہو مرعات ج ۱ ص ۲۳۵ (۲) یعنی آیت کریمہ "اولامستم النساء" کے حکم میں ہے۔

مطابق وضو ٹوٹ جانے کے قائل ہیں۔ (۱)

یہاں بھی وہی سوال ہے کہ حدیث میں تو لفظ "ید" آیا ہے۔ کیا اس سے صرف ایک ہاتھ سے ہی چھونا مراد ہے؟ اور اگر دونوں ہاتھ سے چھوئے تو یہ حکم نہیں ہے؟

پانچواں ثبوت:- حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک انصاری صحابی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور اپنی ضرورت کا سوال کیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا، کیا تمہارے گھر میں کچھ ہے؟ انھوں نے جواب دیا، ایک ٹاٹ ہے جس کا کچھ حصہ اوڑھتے ہیں اور کچھ حصہ بچھاتے ہیں اور ایک پیالہ ہے جس میں پانی پیتے ہیں، حضورؐ نے فرمایا انھیں لے آؤ، وہ لے آئے، حضورؐ نے انھیں اپنے ہاتھ میں لیا، پھر فرمایا "ان دونوں کو کون خرید لے گا، ایک صحابی نے کہا ایک درہم میں، میں خریدوں گا، حضورؐ نے فرمایا کون اس سے زیادہ دام لگاتا ہے؟ دو یا تین مرتبہ یہی ارشاد فرمایا، دوسرے صحابی نے کہا میں انھیں دو درہم میں خریدوں گا، چنانچہ حضور نے وہ دونوں چیزیں ان صحابی کو دو درہم میں فروخت کر دیں اور دونوں درہم انصاری صحابی کو دیتے ہوئے فرمایا "ایک درہم سے اپنے گھر والوں کے لئے خورد و نوش کا انتظام کرو اور ایک درہم سے کلہاڑی (کا پھل) خرید کر میرے پاس لاؤ۔ چنانچہ وہ خرید کر لائے۔

فشدفیه رسول الله ﷺ عوداً بیده.

پس رسول اللہ ﷺ نے اس میں لکڑی کا دستہ اپنے ہاتھ سے لگا دیا۔

(ابوداؤد ج ۱ ص ۲۴۸)

پھر حضورؐ نے ارشاد فرمایا، جاؤ! جنگل سے لکڑیاں کاٹو اور بازار میں لاکر فروخت

---

(۱) دیکھئے مرعات ج ۱ ص ۲۳۹

کرو، (محنت مزدوری کرو) اور لوگوں سے مانگنا چھوڑ دو۔

اِس واقعہ میں راویٔ حدیث نے یہ بتاتے ہوئے کہ رسول اللہ ﷺ نے کلہاڑی میں دستہ اپنے ہاتھ سے لگایا، یہ الفاظ استعمال کئے ۔ فشد فیه رسوالله ﷺ عوداً بیده .

دیکھئے! یہاں بھی "ید" واحد ہی استعمال ہوا ہے، مگر یدین کی جگہ ہے، کیوں کہ ظاہر ہے کہ کلہاری میں دستہ لگانے کا کام صرف ایک ہاتھ سے نہیں ہوتا، اس میں دونوں ہاتھ ضرور لگتے ہیں۔

اگر کسی غیر مقلد عالم کو ہماری بات تسلیم نہ ہو تو وہ ثابت کر دے کہ کلہاڑی میں دستہ، دوسرا ہاتھ لگائے بغیر صرف ایک ہاتھ سے بھی لگایا جا سکتا ہے؟ یا یہ ثابت کر دے کہ حضورؐ نے ایک ہی ہاتھ سے لگایا تھا اور یہ حضورؐ کا معجزہ تھا، یا بلا معجزہ ہی ایک ہاتھ سے لگا دیا۔ ثبوت چاہئے، نرے دعوے سے کام نہیں چلے گا۔

چھٹا ثبوت:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا

إذا استیقظ احدکم من نومه فلایغمسن یده فی الإناء حتی یغسلها ثلثا فإنه لایدری این باتت یده (ترمذی ج ۱ ص ۵)	جب تم میں سے کوئی اپنی نیند سے بیدار ہو تو اپنا ہاتھ برتن میں نہ ڈبوئے یہاں تک کہ اسے تین مرتبہ دھو لے۔ اس لئے کہ وہ نہیں جانتا کہ اس کے ہاتھ نے کہاں رات گزاری۔ (یعنی سوتے میں ہاتھ کہاں کہاں گیا سونے والے کو کیا معلوم)

اِس حدیث میں دو جگہ لفظ "ید" آیا ہے۔ کیا کوئی غیر مقلد عالم کہہ سکتا ہے کہ

سوکر اٹھنے پر صرف ایک ہاتھ ہی پانی کے برتن میں ڈالنے کی ممانعت ہے؟ دونوں کی نہیں، یا یہ کہ حدیث ایک ہاتھ، دو ہاتھ، دونوں کو شامل ہے؟

مرعاۃ (مصنفہ مولانا عبید اللہ صاحب مبارکپوری) میں ہے

فإن الظاهران المقصود من الحديث إذاشک احدکم فی يديه مطلقاً سواء کان لاجل الاستيقاظ اولأمر آخر	حدیث کا ظاہری مقصود یہ ہے کہ جب تم میں سے کوئی اپنے دونوں ہاتھوں کے بارے میں شک کرے، خواہ یہ شک نیند سے جاگنے کی وجہ سے ہو، یا کسی اور وجہ سے۔

(ج۱ ص۲۶۵)

ساتواں ثبوت :- حضرت رافع ابن خدیج رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا گیا

ای الکسب اطيب	کون سی کمائی سب سے پاکیزہ ہے؟
آپؐ نے فرمایا	
عمل الرجل بيده وکل بيع مبرور	آدمی کا اپنے ہاتھ کا کام اور ہر بیع مبرور(۱)

رواہ احمد (مشکوۃ ج۱ ص۲۴۲)

یہاں بھی "ید" آیا ہے، یہاں بھی صرف ایک ہاتھ مراد نہیں بلکہ خواہ ایک ہاتھ کا کام ہو یا دو ہاتھ کا، اپنے ہاتھوں کی کمائی ہونی چاہئے، ایک ہاتھ لگ کر ہوئی ہو یا دونوں ہاتھ۔ نیز دیکھئے یہ احادیث (الف) **من رأى منكم منكرا فليغيره بيده [مسلم]**

(ب) **المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده [بخاری ومسلم]**

---

(۱) "بیع مبرور" وہ بیع جو ہر قسم کے شرعی مفاسد سے پاک ہو۔

بخاری کے ترجمۃ الباب سے ثبوت

اِس کتاب کے صفحہ ۲۷ پر بخاری کے ترجمۃ الباب پر گفتگو کرتے ہوئے حموی اور مستملی کے نسخہ کی بابت جو باتیں معرض تحریر میں آئی ہیں، قارئین انھیں ایک بار پھر پڑھیں۔ بخاری کا ترجمۃ الباب بھی ”ید“ کے اسم جنس ہونے اور دو ہاتھ مراد ہونے کی کھلی دلیل ہے۔

اہلِ حدیث علماء کی تحریروں سے ثبوت

مولانا عبدالمتین میمن جوناگڈھی کی ”حدیث خیر وشر“ سے بھی پتہ چلتا ہے کہ ”ید“ کے ترجمہ میں صرف ایک ہاتھ پر اصرار صحیح نہیں۔ چنانچہ انھوں نے ص ۱۹۷ پر بخاری شریف کے ایک حاشیہ کی اس عبارت **ولما کان الاخذ بالید یجوز ان یقع من غیر مصافحة الخ** کا ترجمہ یوں کیا ہے

”اور جب کہ مصافحہ کے بغیر بھی ہاتھوں کا پکڑنا جائز ہے۔“ الخ

خط کشیدہ عبارت بغور ملاحظہ کیجئے، جانتے ہیں آپ! مولانا نے ”ہاتھوں کا پکڑنا“ حاشیہ کے کن الفاظ کا ترجمہ کیا ہے؟ وہ الفاظ ہیں ”الاخذ بالید“ ظاہر ہے کہ یہ بھی ”ید“ ہی ہے۔ آخر مولانا نے ”ید“ کا ترجمہ ”ہاتھوں“ کیوں کیا، اسی لئے نا کہ ”ید“ اسم جنس ہے، اس کے مفہوم میں ایک ہاتھ اور دو ہاتھ، دونوں شامل ہیں۔

اہم بات یہ ہے کہ اہل حدیث علماء ایک ہاتھ کے مصافحہ پر جتنی حدیثیں پیش کرتے ہیں کسی کے بھی ترجمہ میں لفظ ”ایک“ نہیں لکھ پاتے، کیوں کہ ”ید“ کے معاملہ

میں اس نزاکت کا انھیں بھی احساس ہے، وہ خوب سمجھتے ہیں کہ یہ دو دھاری تلوار ہے یہ تلوار ان کو بھی زخمی کر سکتی ہے، جس طرح "ید" کا ترجمہ "ایک ہاتھ" ہو سکتا ہے، اسی طرح "دو ہاتھ بھی ہو سکتا ہے۔

مولانا عبدالمتین صاحب نے بزعم خود ایک ہاتھ کے مصافحہ پر چوبیس حدیثیں پیش کی ہیں اور انھیں کے بیان کے مطابق انھوں نے تلاش میں کئی دن لگا دیئے۔ بڑی مشقت اٹھائی ہے (۱) اس کے باوجود ایک ہاتھ کا مصافحہ نہ ثابت ہونا تھا، نہ ہوا۔ انھیں کی پیش کردہ چوبیس حدیثوں میں سے کسی حدیث کے ترجمہ میں "ایک" کا لفظ موجود نہیں، جب کہ ترجمہ خود انھیں کا ہے۔ البتہ ترجمہ کے بعد حدیث کی شرح کرتے ہوئے یہ لکھنے سے نہیں چوکے کہ دیکھئے! "ایک ہاتھ" کا مصافحہ ثابت ہو گیا۔

سوال یہ ہے اگر ان احادیث سے ایک ہاتھ کا مصافحہ ثابت تھا تو احادیث کے ترجمے میں "ایک" کا لفظ لکھنے میں کیا چیز مانع بن گئی۔

اِس معاملے میں مولانا عبدالمتین صاحب تنہا نہیں، مولانا عبدالرحمٰن صاحب محدث مبارکپوریؒ کا بھی تقریباً یہی حال ہے۔ (۲)

اب سوچئے کہ مولانا کے اس دعوے کی حیثیت کیا رہی کہ "اس میں لفظ "ید" بصیغۂ واحد ہے اور صیغۂ واحد فردِ واحد پر دلالت کرتا ہے۔" (المقالۃ الحسنیٰ ص ۲۴)

ایک سوال اور اس کا جواب

"محدث" کے مضمون نگار فرماتے ہیں

"ہمیں سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ "باب المصافحہ" میں وارد لفظ "الید"، "یدہ"

---

(۱) دیکھئے حدیث خیر و شر ص ۲۰۴ (۲) دیکھئے المقالۃ الحسنیٰ ص ۲۳ ۔

اور "بیدہ" کو "یدین" اور "ایدی" و "ایادی" پر محمول کرنے والے اہل علم، بخاری و مسلم میں شروع سے آخر ہزاروں بار آنے والے لفظوں "الید" و "یدہ" اور "بیدہ" کو کتنے ہاتھوں پر محمول کرتے ہیں اور کیا معنیٰ و مفہوم لیتے ہیں۔"

(مارچ ۸۶ء ص ۳۱)

مضمون نگار صاحب! آپ کے خیال میں یہ بڑا ٹیڑھا سوال ہوگا مگر آپ کے اس "ٹیڑھے سوال" کا ہمارے پاس بہت سیدھا اور آسان جواب ہے۔

سب سے پہلے تو آپ اس غلط فہمی کو دور کیجئے کہ باب المصافحہ میں وارد الفاظ "الید"، "یدہ" اور "بیدہ" کو "ایدی" و "ایادی" (ید کی جمع) پر بھی محمول کیا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ باب المصافحہ کے ان الفاظ کو صرف "یدین" (تثنیہ) پر محمول کیا جاتا ہے، اور وجہ اس کی بار بار بتائی جا چکی ہے کہ "یدین" ید کا واحدِ اعتباری ہے، کیوں کہ ہر صحیح الاعضاء انسان کے دو ہی ہاتھ ہوتے ہیں۔ لہٰذا "ید" کو "یدین" پر محمول کیا جا سکتا ہے۔

رہا آپ کا یہ سوال کہ ہم بخاری و مسلم میں ہزاروں جگہ واردِ ان الفاظ کو کتنے ہاتھوں پر محمول کرتے ہیں اور کیا معنیٰ و مفہوم لیتے ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ احوال و قرائن اور دلیل خارجی جتنے ہاتھ مراد لینے اور جو معنیٰ و مفہوم اختیار کرنے کو ترجیح دیتی ہے، ہم اس کو لے لیتے ہیں، اور اِس معاملے میں، آپ حضرات کی طرح ٹھوسم ٹھاس کے قائل نہیں، کہ زبردستی لفظ "ایک یا دو" بڑھا کر اپنی مطلب برآری کریں۔

★★★

کمزور بنیادیں

مولانا عبدالرحمٰن صاحب مبارکپوری نے "ید" کے اسمِ جنس ہونے کا انکار کر کے دو کمزور بنیادوں کا سہارا لیا ہے۔

اول :- "ید" کے معرف باللام اور مضاف ہونے کی وجہ سے معنیٰ عہدی مراد لینے پر اصرار۔ دیکھئے المقالۃ الحسنیٰ ص ۲۵

دوم :- مصافحہ کا "بیعت" پر قیاس۔ دیکھئے المقالۃ الحسنیٰ ص ۲۶

یہ کمزور بنیاد

اگر معنیٰ عہدی سے مراد عہدِ خارجی ہو جیسا کہ ان کی گفتگو کا ماحصل یہی ہے تو بنیادِ اول کی کمزوری اسی بات سے عیاں ہے کہ جن احادیث کریمہ میں "داہنا ہاتھ" معہود ہونے کا وہ دعویٰ کر رہے ہیں، ان میں سے کسی حدیث میں پہلے سے دائیں کی تصریح نہیں، یا تو صرف لفظ "مصافحہ" وارد ہے یا لفظ "ید" (ان احادیث پر تفصیلی بحث صفحہ نمبر ۳۷ سے شروع ہو رہی ہے۔)

اِن حالات میں معنیٰ عہدی مراد لینے کی قطعاً گنجائش نہیں۔

عہدِ خارجی کس وقت مراد و متعین ہوتا ہے اس کی ایک مثال یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دائیں ہاتھ سے استنجاء کرنے کی صراحۃً ممانعت فرمائی ہے، دیکھئے یہ احادیث

(۱) عن سلمان رضی الله تعالیٰ عنه قال نهانا یعنی رسول الله ﷺ ان نستقبل القبلة لغائط اوبول اونستنجی بالیمین الخ

(مسلم ج۱ ص ۱۳۰)

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں پیشاب و پائخانہ کے وقت قبلہ کی طرف رخ کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اور دائیں ہاتھ سے استنجاء کرنے سے بھی منع فرمایا ہے۔

(۲) حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں ہے

ونهیٰ ان یستطیب الرجل بیمینه

(ابن ماجہ ص ۲۷)

رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ آدمی اپنے دائیں ہاتھ سے استنجاء کرے۔

(۳) حضرت عائشہؓ کی روایت میں ہے

کانت یدرسول الله ﷺ الیمنیٰ لطهوره وطعامه وکانت یده الیسریٰ لخلائه وماکان من اذیٰ

(مشکوٰۃ ج۱ ص ۴۲ وابوداؤد ج۱ ص ۱۵)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا دایاں ہاتھ وضو کے لئے اور کھانا کھانے کے لئے تھا اور بایاں ہاتھ استنجاء اور گندگی (ناک وغیرہ) صاف کرنے کے لئے تھا۔

دیکھئے اِن احادیث میں کتنی صراحت کے ساتھ استنجاء کے لئے دائیں ہاتھ کی ممانعت کا حکم آرہا ہے۔ اب دوسری حدیث دیکھئے

عن ابی هریرة قال کان النبی ﷺ اذااتی الخلاء اتیته بماء فی تمر اوکور فاستنجیٰ ثم مسح یده علیٰ الارض ثم اُتیته باناء آخر فتوضأ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب بیت الخلاء تشریف لے جاتے تو میں ایک برتن میں پانی لے آتا۔ حضورؐ اس سے استنجا فرماتے پھر اپنے ہاتھ کو زمین پر رگڑتے، پھر میں دوسرا برتن

(ابوداؤد ج۱ ص ۱۷ باب الرجل
یدلک یدہ بالارض اذا استنجیٰ)

لے کر آتا تو آپؐ وضو فرماتے۔

اِس حدیث میں لفظ ”یدہ“ مذکور ہے یعنی اضافت کے ساتھ، لیکن یہ تصریح نہیں کہ حضورؐ کون سا ہاتھ زمین پر رگڑتے تھے، مگر چونکہ سابقہ حدیثوں میں صراحۃً استنجاء کے لئے ”بایاں ہاتھ“ متعین ہو چکا ہے، اس لئے اِس ”ید“ کو انھیں حدیثوں پر محمول کر کے معنیٰ عہدی یعنی ”بایاں ہاتھ“ مراد لیا جائے گا۔

لیکن مصافحہ کی کسی حدیث میں رسول اللہ ﷺ سے ”دائیں ہاتھ“ کی تصریح نہیں، لہٰذا ”ید“ کے معرف باللام ”بالید“ اور مضاف ”یدہ“ کو دائیں ہاتھ پر محمول کرنے اور معنیٰ عہدی مراد لینے کی کوئی گنجائش نہیں۔

اور اگر عہد سے عہدِ ذہنی مراد ہو تو نتیجہ وہی نکلے گا جو ہم اب تک کہتے چلے آرہے ہیں، یعنی ”ید“ سے ایک ہاتھ یا دو ہاتھ، اور دائیں ہاتھ یا بائیں ہاتھ کا مصرح نہ ہونا۔ کیوں کہ عہدِ ذہنی کا مفہوم یہی ہے کہ وہ ہر جگہ مراد لیا جا سکتا ہے اور حکماً جنس ہی کی طرح ہوتا ہے

حاشیہ شرح وقایہ میں ہے

اما العهد الذهنی فیمکن فی کل موضع وحکمه حکم الجنس کما حققه التفتازانی فی التلویح .

(شرح وقایہ ج۱ ص ۲۳۷ باب المصارف
حاشیہ نمبر ۲)

عہدِ ذہنی کا اعتبار ہر جگہ ممکن ہے اس کا حکم، اسمِ جنس کا حکم ہے جیسا کہ علامہ تفتازانی نے تلویح میں محققانہ طور پر ثابت کیا ہے۔

نورالانوار میں ہے

والمعهود الذهنی فی المعنی کالنکرة (ص ۸۱) معہود ذہنی معنیٰ میں نکرہ کی طرح ہے

مصافحہ اور بیعت

علماء غیر مقلدین کی پریشانی یہ ہے کہ ایک ہاتھ کے مصافحہ کی صریح حدیث انھیں مل نہیں پارہی ہے، وہ پریشانی کے عالم میں اِدھر اُدھر ہاتھ پیر مار رہے ہیں کہ شاید کوئی سہارا مل جائے۔ آخرکار ''ایک ہاتھ'' کے مصافحہ کے لئے انھوں نے بیعت کی، احادیث کو چھانٹ لیا، بیعت کی احادیث میں ایک ہاتھ، وہ بھی دائیں ہاتھ کی صراحت موجود ہے، یعنی جو شخص رسول اللہ ﷺ پر ایمان لاتا تھا اس سے بیعت لیتے وقت، یا کسی دوسرے اہم معاملے میں بیعت کے وقت رسول اللہ ﷺ کا بھی ایک ہاتھ (دایاں) ہوتا تھا، اور اس شخص کا بھی۔

ان حضرات کا استدلال یہ ہے کہ جس طرح ہتھیلی سے ہتھیلی مصافحہ میں ملتی ہے، اسی طرح بیعت میں بھی، لہٰذا جس طرح بیعت ایک ہی ہاتھ دائیں سے لی جاتی رہی ہے، اسی طرح مصافحہ بھی، صرف ایک ہاتھ (دائیں) سے کرنا چاہئے۔ اور چونکہ احادیثِ بیعت میں ایک ہاتھ کا ثبوت صراحۃً موجود ہے لہٰذا ایک ہاتھ کے مصافحہ کا صریح ثبوت مل گیا۔

مولانا عبدالرحمٰن صاحب لکھتے ہیں۔

''واضح ہو کہ مصافحہ عندالملاقات اور مصافحہ عندالبیعت کی حقیقتِ شرعیہ ایک ہے کیوں کہ احادیث میں مصافحہ عندالملاقات پر مصافحہ کا لفظ وارد ہوا ہے، مصافحہ

> عندالبیعت پر بھی وارد ہوا ہے، اور ان دونوں وقتوں کے مصافحہ کی حیثیت میں شرعاً کچھ فرق ثابت نہیں ہے۔“ (المقالۃ الحسنٰی ص ۱۶)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں

> ”ان احادیث میں لفظ ”ید“ کو داہنے ہاتھ پر محمول کرنا متعین ہے، کیوں کہ مصافحہ بیعت میں داہنے ہاتھ کی تصریح متعدد حدیثوں میں آئی ہے اور مصافحہ بیعت اور مصافحہ ملاقات دونوں کی حقیقت ایک ہے۔“ (کتاب مذکور ص ۲۶)

ان اقتباسات میں مولانا نے ”مصافحۂ بیعت“ اور ”مصافحۂ ملاقات“ کی حقیقتِ شرعیہ کو بالکل ایک قرار دیا ہے، مگر ہمارے نزدیک ان دونوں میں کئی بڑے فرق موجود ہیں، اور ہر صاحبِ دانش تعصب کی عینک اتار کر دونوں کے فرق کو ضرور محسوس کرے گا۔

پہلا فرق، لغت اور اصطلاح کے اعتبار سے

بیعت کے وقت ہاتھ پر ہاتھ رکھنے کو لغوی اعتبار سے مصافحہ ضرور کہا جاسکتا ہے مگر اصطلاحی اعتبار سے نہیں (۱) یہ ایسے ہی ہے جیسے ہر نئی چیز کو لغوی اعتبار سے ”بدعت“ کہا جاسکتا ہے، لیکن اصطلاحی اعتبار سے نہیں، چنانچہ حضرت عمرؓ نے تراویح کی جماعت کو نعم البدعۃ ھذہٖ (یہ کتنی اچھی بدعت ہے) لغوی اعتبار سے ہی کہا تھا۔ نہ کہ اصطلاحی اعتبار سے، ورنہ پھر اہل حدیث حضرات کو پورے رمضان باجماعت تراویح نہیں پڑھنی چاہئے۔ بدعتِ حسنہ اور بدعتِ سیئہ کی تقسیم بھی لغوی ہی اعتبار سے ہے نہ کہ اصطلاحی اعتبار سے۔ (۲)

---

(۱) لغوی اعتبار سے مصافحہ کا معنیٰ، ہتھیلی کا ہتھیلی سے ملنا ہے (دیکھئے اس کتاب کا ص ۵) اور ظاہر ہے کہ بیعت کے وقت بھی ہتھیلی، ہتھیلی سے ملتی ہے۔ (۲) دیکھئے کفایۃ المفتی ج ۱ ص ۲۲۷

ورنہ پھر سنۃ کے ساتھ حسنہ، اور سیئہ، اور بدعہ کے ساتھ ضلالۃ کی قید لگانے کی کوئی ضرورت نہ تھی (دیکھئے مسلم ج ۲ ص ۳۴۱، ابن ماجہ ص ۱۹ ترمذی ج ۲ ص ۹۲) اس لئے کہ ظاہر ہے کہ اصطلاحی اعتبار سے ہر "بدعت" گمراہی ہوتی ہے، اس میں حسنہ ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

یہ بات بھی واضح ہے کہ "اصطلاحی بدعت" اور "لغوی بدعت" دونوں کو ایک خانے میں نہیں رکھا جاسکتا۔ نہ دونوں کو ایک دوسرے پر قیاس کیا جاسکتا۔

اسی طرح "اصطلاحی مصافحہ" اور "لغوی مصافحہ" کا معاملہ ہے، نہ تو دونوں کو ایک قرار دیا جاسکتا نہ دونوں کو ایک دوسرے پر قیاس کیا جاسکتا، بلکہ صحیح بات تو یہ ہے کہ "بیعت کے وقت" ہاتھ سے ہاتھ ملنے کو لفظ "مصافحہ" سے تعبیر بھی نہیں کرنا چاہئے، خاص طور سے وہاں جہاں "اصطلاحی مصافحہ" کا ذکر ہو، کیوں کہ دونوں میں اشتباہ پیدا ہوجاتا ہے، جس طرح تراویح کی جماعت کو بدعت کہنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی، خاص طور سے وہاں، جہاں "بدعتِ اصطلاحیہ" کی گفتگو ہو۔

اِس لحاظ سے مولانا عبدالرحمٰن صاحب کے لئے کسی طرح مناسب نہیں تھا کہ وہ بیعت کے وقت ہاتھ ملانے کو مصافحہ قرار دے کر "مصافحہ عند البیعت" کی جدید اصطلاح وضع کریں اور عوام کو مغالطہ دیں۔

دوسرا فرق، طریقہ کے اعتبار سے

بیعت کے وقت ہاتھ ملانے اور ملاقات کے وقت ہاتھ ملانے (مصافحہ کرنے میں) بہت بڑا فرق ہے، بیعت کے وقت ہاتھ کو ہاتھ سے ملانے کا مطلب ہے ہاتھ

کو ہاتھ پر رکھنا، جسے ہاتھ کو ہاتھ پر مارنا بھی کہتے ہیں۔

بیعت میں ”ہاتھ کو ہاتھ پر مارنے“ کا تذکرہ بخاری کی اس روایت میں، جسے مولانا عبدالرحمٰن نے بھی نقل کیا ہے، صراحۃً موجود ہے، مولانا کے ہی نقل کردہ الفاظِ حدیث مع ترجمہ یہ ہیں۔

صحیح بخاری میں عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے

وکان بیعة الرضوان بعدماذهب عثمان الیٰ مکة ، فقال رسول الله ﷺ بیده الیمنیٰ هٰذه ید عثمان فضرب بهاعلی یده ، فقال هٰذه لعثمان، الحدیث .

یعنی عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکہ چلے جانے کے بعد بیعتِ رضوان ہوئی، پس رسول اللہ ﷺ نے اپنے داہنے ہاتھ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ یہ میرا داہنا ہاتھ عثمان کا ہاتھ ہے، پھر آپ نے اپنے داہنے ہاتھ کو اپنے دوسرے ہاتھ پر مارا، اور فرمایا یہ بیعت عثمان کے لئے ہے ۔

(المقالۃ الحسنیٰ ص ۱۹)

خط کشیدہ عبارت پر غور کیجئے!

کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ مصافحہ میں بھی ہاتھ کو ہاتھ پر مارا جاتا ہے، اس پر بھی غور کیجئے کہ بیعت کے وقت ہاتھ کی وضع کیا ہوتی ہے اور مصافحہ کے وقت کیا ہوتی ہے، مصافحہ کی وضع کے مطابق اگر ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر مارا جائے تو اسے ہاتھ کو ہاتھ پر مارنا نہیں کہتے بلکہ تالی بجانا کہتے ہیں، ہاتھ پر ہاتھ مارنے کا مطلب یہ ہے کہ ایک آدمی اپنا ہاتھ پھیلائے اور دوسرا اس پر اپنا ہاتھ مارے۔

تیسرا فرق مقصد کے اعتبار سے

بیعت کے وقت ہاتھ ملانے اور ملاقات کے وقت ہاتھ ملانے میں مقصد کے اعتبار سے بھی زمین و آسمان کا فرق ہے، بیعت کے وقت ہاتھ ملانے کا مطلب ہوتا ہے کسی چیز کا عہد و پیمان، پختہ وعدہ، اور ملاقات کے وقت ہاتھ ملانے کا مطلب ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ اظہارِ تعلق، اظہارِ محبت، مسلمان بھائی کا اعزاز و اکرام۔ مسلمان بھائی کے حق کی ادائیگی۔

(۱) عن انس قال قال رجل یارسول اللہ الرجل منایلقی اخاہ اوصدیقہ اینحنی لہ قال لاقال افیلتزمہ ویقبلہ قال لاقال افیاخذ بیدہ ویصافحہ قال نعم

(ترمذی ج ۲ ص ۹۷)

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ! اگر کوئی ہم میں سے اپنے بھائی یا دوست سے ملے تو کیا اس کے لئے جھک جائے؟ حضورؐ نے فرمایا نہیں، اس شخص نے کہا تو کیا اس سے چمٹ جائے اور اس کا بوسہ لے؟ حضورؐ نے فرمایا نہیں، اس شخص نے عرض کیا پس کیا اس کا ہاتھ پکڑ لے اور مصافحہ کرے؟ حضورؐ نے فرمایا ہاں۔

(۲) عن عطاء الخراسانی ان رسول اللہ ﷺ قال تصافحوا یذهب الغل وتهادوا تحابوا وتذهب الشحناء

(مؤطا امام مالک ص ۳۶۵)

عطاء بن عبد اللہ خراسانیؒ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، مصافحہ کرو، یہ کدورت کو نکال دیتا ہے، آپس میں ہدیہ دیا کرو اس سے محبت بڑھتی ہے اور عداوت دور ہوتی ہے۔

بیعت میں کوئی ایک واقعہ بھی ایسا نہیں بتایا جا سکتا کہ بلا کسی عہد و پیمان کے یونہی ہاتھ کو ہاتھ پہ مارا گیا ہو۔ آج بھی کسی سے پختہ وعدہ لیتے اور عہد و پیمان کرتے وقت ہاتھ کو ہاتھ پر مارا جاتا ہے۔

بیعت کن موقعوں پر اور کن مقاصد سے ہوتی تھی اسے علامہ ابن قیمؒ زاد المعاد میں **ذکر آدابه فی البیعت والجهاد** (**بیعت اور جہاد میں حضورؐ کا طریقہ**) کے عنوان سے یوں بیان فرماتے ہیں۔

کان النبی ﷺ یبایع اصحابه فی الحرب علیٰ ان لایفروا وربما بایعهم علیٰ الموت وبایعهم علیٰ الجهاد کمابایعهم علیٰ الاسلام وبایعهم علی الهجرة قبل الفتح وبایعهم علی التوحید والتزام طاعة الله و رسوله وبایع فقراء من اصحابه ان لایسئلوا الناس شیئاً

(زاد المعاد ج ۲ ص ٦٤)

نبی کریم ﷺ جنگ میں اس بات پر بیعت لیتے تھے کہ وہ فرار نہیں اختیار کریں گے، بسا اوقات حضورؐ نے موت پر بیعت لی، جہاد پر بیعت لی، اسلام پر بیعت لی اور فتح مکہ سے قبل ہجرت پر بیعت لی، توحید اور اطاعت پر اور اطاعتِ رسول پر بیعت لی، غریب صحابہ سے اس بات پر بیعت لی کہ وہ لوگوں سے کسی چیز کا سوال نہیں کریں گے۔

چوتھا فرق، وقت کے اعتبار سے

چوتھا فرق یہ ہے کہ مصافحہ، ملاقات ہوتے ہی ہوتا ہے، اور بیعت، ملاقات ہوتے ہی نہیں ہوتی، بلکہ اچھا خاصا وقت گزر جانے کے بعد ہوتی ہے، چنانچہ بیعتِ عقبۂ ثانیہ کے متعلق حضرت جابرؓ کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ اسی گھاٹی میں حضورؐ بھی

موجود تھے، انصارِ مدینہ بھی اور ابوطالب بھی، اور سب کے درمیان اچھی خاصی گفتگو ہوئی اس کے بعد حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ

فقمنانبایعه . (زادالمعاد ج ۲ ص ۵۱)

پس ہم کھڑے ہوئے اور حضورؐ سے بیعت کرنے لگے۔

حضرت عبادہ بن صامتؓ فرماتے ہیں کہ ہم حضور ﷺ کے پاس ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے، پس حضورؐ نے فرمایا

بایعونی علیٰ ان لاتشرکوابالله شیئاولاتسرقواولاتزنواالخ (بخاری ج ۲ ص ۱۰۰۳)

مجھ سے اس بات پر بیعت کرو کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراؤ گے، چوری نہیں کروگے، زنا نہیں کروگے۔

اس سے معلوم ہوا کہ بیعت اسی مجلس میں بیٹھے بیٹھے بھی ہونے لگتی تھی، لیکن کوئی اہل حدیث عالم اس بات کی اجازت دے سکتا ہے کہ ایک مجلس میں لوگ پہلے سے موجود ہوں پھر اچانک ایک دوسرے سے مصافحہ کرنے لگیں۔

بیعتِ رضوان میں تمام صحابہ، حضور ﷺ کے آس پاس پڑاؤ ڈال کر قیام پذیر تھے، ان میں سے بعض تو ہر وقت حضورؐ کے ساتھ رہتے تھے مثلاً ابوبکرؓ وعمرؓ وغیرہ۔ اور یہ معلوم ہی ہے کہ بیعت سبھی نے کی تھی، وہاں ملاقات کا کیا سوال؟ وہ کہیں سے حضورؐ کے پاس آئے تو تھے نہیں کہ ملاقات ہوئی ہو اور بیعت ہوئی ہو، بلکہ دورانِ قیام ایک اہم واقعہ پیش آجانے کی وجہ سے بیعت ہوئی تھی۔ وہ واقعہ تھا حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کی افواہ پھیلنے کا، جنھیں حضورؐ نے مشرکین مکہ سے گفتگو کرنے کے لئے مکہ بھیجا تھا، حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ لینے کے لئے حضورؐ نے صحابۂ کرامؓ سے موت پر بیعت لی تھی۔

مسلم جلد اول ص ۷۶ پر حضرت عمرو بن العاصؓ کے اسلام لانے اور بیعت ہونے کا ذکر ہے، اس واقعہ سے بھی پتہ چلتا ہے کہ ملاقات کے بعد اچھی خاصی گفتگو کے بعد بیعت کا مرحلہ آیا۔

محدثین کا اندازِ بیان

محدثین کا اندازِ بیان بھی بتاتا ہے کہ ان حضرات کے نزدیک بھی ملاقات کے وقت ہاتھ ملانے اور بیعت کے وقت ہاتھ ملانے میں بڑا فرق ہے، وہ دونوں کو ایک نہیں سمجھتے، وہ مصافحہ اور بیعت دونوں کی حدیثیں الگ لگ ذکر کرتے ہیں، مختلف ابواب میں، دونوں کی حدیثوں کو کسی باب میں یکجا نہیں کرتے، اِس کا مطلب یہ ہے کہ وہ دونوں کے بنیادی فرق کو سمجھتے ہیں، ایسا نہیں ہے کہ وہ لغوی اشتراک کو بنیاد بنا کر دونوں کو گڈمڈ کر دیں، یہ ''کارنامہ'' صرف ہمارے اہل حدیث حضرات ہی انجام دیتے ہیں۔

علماء اہل حدیث کو غور کرنا چاہئے کہ کیا وجہ ہے کہ کوئی محدث، ''باب المصافحہ'' میں بیعت کی حدیثوں کو ذکر نہیں کرتا، وہ یہ بھی نہیں سوچتا کہ لغوی اعتبار سے اتحادِ مفہوم موجود ہے، وجہ یہ کہ حضراتِ محدثین جانتے ہیں کہ لغوی اور اصطلاحی فرق کو نظر انداز کر کے مختلف موضوعات کی حدیثوں کو خلط ملط کر دینا شانِ محدّثیت کے خلاف اور عالمانہ وقار کے منافی ہے۔

فقیہ اور محدّث میں یہی فرق ہے

اب سوچئے اتنے فرق کے باوجود مولانا عبدالرحمٰن صاحب فرمارہے ہیں کہ ''مصافحہ عند الملاقات'' اور ''مصافحہ عند البیعت'' کی حقیقتِ شرعیہ ایک ہے، اور یہ کہ

"دونوں وقتوں کے مصافحہ میں شرعاً کچھ فرق ثابت نہیں ہے۔"

یہاں ہم اس کے سوا کیا کہیں کہ مولانا محدّث تو ضرور تھے، فقیہ نہ تھے، دو چیزوں کے درمیان باریک سے باریک فرق کو محسوس کر لینا انھیں حضرات کا کام ہے جنھیں اللہ نے تفقہ فی الدین کی دولت سے نوازا ہے۔ محدث، فقیہ کی برابری کر سکے؟ یہ کہاں ممکن۔

محدث بن جانا یعنی روایتِ حدیث، حفظِ حدیث اور اسماء رجال سے واقفیت ایک دوسری چیز ہے اور احادیث سے مسائل کا اخذ واستنباط ایک دوسری چیز، اول الذکر میں مولانا کے علمی مقام کے ہم معترف ہیں، لیکن استخراجِ مسائل مولانا کے بس کی بات نہیں، اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ وہ بیعت کے وقت ہاتھ ملانے اور ملاقات کے وقت ہاتھ ملانے کی حقیقتِ شرعیہ ایک قرار دیتے ہیں جب کہ دونوں میں چار واضح فرق موجود ہیں، یہ فرق بھی شرعی فرق ہیں، احادیث سے ثابت ہیں، اپنے گھر کے بتائے ہوئے نہیں، ان فروق تک نگاہ کا نہ پہنچنا ہی عدمِ تفقہ کی دلیل ہے۔ کیا جو شخص دو چیزوں کے درمیان موٹے اور بڑے فرق کو فرق سمجھے اور باریک اور دقیق فرق یا تو اس کی سمجھ میں نہ آئے، یا اس فرق کو فرق ہی نہ سمجھے، وہ مسائل کے اخذ واستنباط میں صحیح نقطہ نظر تک پہنچ سکتا ہے؟!

اسی لئے وہ محدث جو صرف محدث ہو، فقیہ نہ ہو، اس سے فقیہ کا پایہ بلند ہے، ہر فقیہ، محدث ضرور ہوتا ہے کیوں کہ جب تک نصوصِ قرآن اور ذخیرۂ حدیث اس کے سامنے نہ ہو وہ مسائل کا استخراج کر ہی نہیں سکتا۔ لیکن ہر محدث کا فقیہ ہونا ضروری نہیں۔

لغوی اشتراک سے حکم مشترک نہیں ہوسکتا

صرف یہ اشتراک کہ مصافحہ اور بیعت دونوں میں ہتھیلی، ہتھیلی سے ملتی ہے، اس بات کی دلیل نہیں کہ بیعت کے طریقے کو مصافحہ کے طریقہ کے لئے بنیاد بنالیا جائے۔

کیا علماء غیر مقلدین درج ذیل صورتوں کو بھی مصافحہ کہیں گے؟

(۱) دو اشخاص ایک ہاتھ سے ہی مصافحہ کریں لیکن دونوں اپنا بایاں ہاتھ ہی استعمال کریں، مصافحہ کا لغوی معنیٰ ہتھیلی کا ہتھیلی سے ملنا یہاں بھی موجود ہے۔

(۲) دو اشخاص اس طرح مصافحہ کریں کہ ایک کا دایاں ہاتھ ہو، دوسرے کا بایاں۔ یہاں بھی دونوں نے ایک ایک ہی ہاتھ استعمال کیا ہے۔ اور مصافحہ کا لغوی معنیٰ **الصاق صفحة الكف بالكف** اور **اقبال الوجه على الوجه** بھی پایا جارہا ہے۔

اگر مذکورہ بالا صورتوں کو علماء اہل حدیث "مصافحہ" نہیں کہہ سکتے تو پھر اس قسم کی باتیں لکھنے کا کیا جواز ہے

"مصافحہ بیعت اور مصافحہ ملاقات کی حقیقت ایک ہے اور مصافحہ کا معنیٰ یکساں"

(دو ہاتھ کے مصافحہ کی شرعی حیثیت" ص ۹)

مصافحۂ بیعت اور مصافحۂ ملاقات کی حقیقت میں کتنا بڑا فرق ہے اور ایک ہی فرق نہیں، چار چار فرق موجود ہیں قارئین اس سے واقف ہوچکے۔ اور مصافحہ کے معنیٰ کی یکسانیت کا اعتبار کرنا ہے تو ہماری ذکر کردہ دونوں صورتوں کو بھی کہئے کہ یہ "مصافحہ" ہے۔ (۱)

---

(۱) یعنی اصطلاحی مصافحہ، موضوع گفتگو تو اصطلاحی مصافحہ ہی ہے، ورنہ لغوی مصافحہ تو کہہ ہی سکتے ہیں کیوں کہ الصاق صفح الکف بالکف موجود ہے۔ یہاں یہ ملحوظ رہے کہ علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۲۳۱ اور علامہ قسطلانی نے ارشاد الساری ج ۷ ص ۳۸۱ پر بیعت کے متعلق حدیث عائشہ کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مصافحۂ بیعت بھی دونوں ہاتھ سے ہے۔

حقیقت بھی یہی ہے کہ صرف لغوی معنیٰ کے اشتراک پر دو مسئلوں کو ایک دوسرے پر نہیں قیاس کیا جاسکتا۔

اذاوضع لفظ لمسمی مخصوص باعتبار معنیٰ یوجدفی غیرہ لایصح لنا ان نطلق ذالک اللفظ علیٰ ذالک الغیرحقیقة سواء کان الوضع لغویااوشرعیا اوعرفیا.

(التوشیح علی التوضیح والتلویح ص ۵۳۶)

جب کوئی لفظ کسی مخصوص شئ کے لئے وضع کردیا گیا ہو اور معنیٰ کے اعتبار سے وہی لفظ کسی دوسرے میں بھی پایا جاتا ہو تو صحیح نہیں کہ ہم اس لفظ کا اس کے غیر پر حقیقۃً اطلاق کریں، خواہ وضع لغوی ہو یا شرعی ہو یا عرفی۔

لہٰذا جب شریعت نے مصافحہ کو ایک لغوی معنیٰ **عندالتلاقی الصاق صفح الکف بالکف** کے لئے وضع کردیا تو اگرچہ **الصاق صفح الکف بالکف** کا معنیٰ کسی دوسرے، مثلاً بیعت کے ہاتھ ملانے میں بھی پایا جائے پھر بھی مصافحہ کا لفظ بیعت پر نہیں بولا جاسکتا۔ اسی طرح شریعت نے بیعت کو ایک مخصوص معنیٰ، یعنی خاص قسم کے عہد و پیمان کے وقت **الصاق صفح الکف بالکف** کے لئے وضع کردیا تو اگرچہ **الصاق صفح الکف بالکف** کا معنیٰ مصافحہ میں بھی پایا جاتا ہے، مصافحہ کو بیعت نہیں کہہ سکتے۔ (۱)

نورالانوار میں ہے

احدھا کون الحکم شرعیالالغویا

(ص ۲۹۹)

قیاس کے شرائط میں سے ایک یہ بھی ہے کہ حکم، شرع کے اعتبار سے ہو نہ کہ لغت کے اعتبار سے۔

---

(۱) خیال رہے کہ الصاق صفح الکف بالکف دونوں ہاتھ سے مصافحہ کرتے وقت بھی ہوتا ہے، جیسا کہ ہم اسی کتاب کے ص ۵ پر لکھ چکے ہیں، لہٰذا کسی کو کسی قسم کا شبہہ نہیں ہونا چاہئے۔

اصول الشاشی میں ہے

ان يقع التعليل لحكم شرعي لالأمر لغوي (ص ٨٥)

علت کسی حکمِ شرعی کی وجہ سے ہو نہ کہ امرِ لغوی کی وجہ سے۔

’’قطعِ ید‘‘ کی روایات سے استدلال

اپنی کتاب کے صفحہ ۲۶ پر مولانا عبدالرحمٰن صاحب یہ ثابت کرتے ہوئے کہ مصافحہ کی جن احادیث میں لفظ ید معرف باللام یا مضاف واقع ہوا ہے وہ اسمِ جنس نہیں ہے، بلکہ اس سے ایک ہاتھ یعنی داہنا ہاتھ مراد ہے۔ یہ ویسا ہی ہے جیسے قطعِ ید کی احادیث میں ید معرّف باللام، یا مضاف واقع ہوا ہے اور بالاتفاق داہنا ہاتھ مراد ہے۔ اس کے بعد مولانا نے قطعِ ید کی اس قسم کی پانچ حدیثیں نقل کی ہیں۔

مگر مولانا کا یہ قیاس (پتہ نہیں مولانا قیاس کے قائل تھے یا نہیں۔ یا صرف اپنے مطلب کے لئے ہی قیاس کیا کرتے تھے جیسا کہ یہاں قطعِ ید معرف باللام ومضاف کو مصافحہ کے معرف باللام وغیرہ پر قیاس کیا۔) بایں وجہ درست نہیں کہ مصافحہ کی کسی حدیث میں ایک ہاتھ، یا داہنے ہاتھ کی تصریح نہیں، اس لئے یہاں معرف باللام ومضاف سے صرف ایک ہاتھ یا دایاں مراد نہیں لیا جاسکتا ہے، اس کے برخلاف قطع ید کے متعلق جو احادیث وارد ہیں وہ دو قسم کی ہیں (۱) ید معرف باللام ومضاف استعمال ہوا ہے (۲) داہنے کی صراحت موجود ہے مثلاً ملاحظہ ہو بخاری جلد ۲ ص ۱۰۰۴ موطا امام مالک ص ۳۵۴ وغیرہ، اس کے علاوہ اجماع سے بھی ثابت ہے، ملاحظہ ہو نووی علی المسلم ج ۲ ص ۶۴ ج ۲ ص ۳۸۹ فتح الباری ج ۲ ص ۹۷ و ص ۹۹ وغیرہ۔ ایسا نہیں ہے لفظ ید

کو معرف باللام یا مضاف دیکھ کر دائیں ہاتھ کا فیصلہ کیا گیا ہو، اگر دوسری احادیث میں دائیں کی صراحت نہ ہوتی یا اجماع منعقد نہ ہوتا تو آیتِ کریمہ **فَاقْطَعُوْا اَیْدِیَھُمَا** الخ میں ''ید'' کے مطلق ہونے کی وجہ سے کوئی تعیین نہ ہو پاتی اور چور کا جو ہاتھ کاٹ دیا جاتا آیت پر عمل ہو جاتا۔ لیکن بعض احادیثِ کریمہ و اجماعِ امت نے دائیں ہاتھ کی تعیین کردی۔ سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی قرأت میں **فَاقْطَعُوْا اَیْدِیَھُمَا** کے بجائے ایمانھما ہے یعنی یمین (دایاں ہاتھ) بالصراحت موجود ہے۔ دیکھئے فتح الباری ج ۲ ص ۹۹ ہدایہ ج ۲ ص ۵۴۷ وغیرہ، پھر بھلا اتنے صریح دلائل کی موجودگی میں دایاں ہاتھ متعین کیوں نہ ہوتا۔ مگر اس تعیین کو ''ید'' معرّف باللام یا مضاف ہونے کے ساتھ جوڑنا، اور اس پر مصافحہ کے معرف باللام و مضاف کو قیاس کرنا، قیاس مع الفارق ہے۔ کیوں کہ قطعِ ید میں داہنے ہاتھ کی صریح تعیین روایات میں موجود ہے اور مصافحہ کی تعیین موجود نہیں۔ لہٰذا مولانا عبدالرحمٰن صاحب کی یہ عبارت ان کے موافق ہونے کے بجائے ہمارے موافق ہے۔ ''بالاتفاق ان احادیث میں لفظ ''ید'' سے داہنا ہی ہاتھ مراد ہے۔ اور دونوں ہاتھ یا بایاں ہاتھ مراد لینا ہرگز صحیح نہیں، اور اسکی کوئی وجہ نہیں ہے مگر یہی کہ بعض احادیثِ قطعِ ید میں داہنے ہاتھ کی تصریح آئی ہے۔ اور ابن مسعودؓ کی قرأت میں (**فَاقْطَعُوْا اَیْمَانَھُمَا**) واقع ہے۔'' (ص ۲۶)

دائیں ہاتھ سے کام کرنے کی حدیثیں

دائیں ہاتھ سے مصافحہ پر علمائے غیر مقلدین نے درج ذیل احادیث سے بھی استدلال کیا ہے (دیکھئے المقالۃ الحسنیٰ ص ۱۳ و ماہنامہ محدث ۸۶ء حدیث خیر و شر ص ۲۰۵)

(۱)عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ اذا اکل احدکم فلیاکل بیمینه واذاشرب فلیشرب بیمینه. (مسلم ج ۲ ص ۱۷۲)	حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو دائیں ہاتھ سے کھائے، پانی پئے تو دائیں ہاتھ سے پئے۔
(۲)عن عائشة کانت یدرسول الله ﷺ الیمنیٰ لطهوره وطعامه وکانت یده الیسریٰ لخلائه وماکان من اذیٰ. (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۴۲ وابوداؤد ج ۱ ص ۱۵)	حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا دایاں ہاتھ وضو کے لئے اور کھانا کھانے کے لئے تھا اور بایاں ہاتھ استنجاء اور گندگی (ناک وغیرہ) صاف کرنے کے لئے تھا۔
(۳)عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت کان النبی ﷺ یحب التیمن مااستطاع فی شانه کله فی طهوره وترجله وتنعله (بخاری ج ۲ ص ۸۱۰)	حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ حتی الوسع اپنے ہر کام میں دائیں ہاتھ کو پسند کرتے تھے، اپنے وضو میں، کنگھی کرنے میں، جوتا پہننے میں۔

اِن حضرات کا کہنا ہے کہ احادیث بالا کے مطابق رسول اللہ ﷺ اچھے کاموں کے لئے دائیں ہاتھ کو استعمال کرتے تھے اور جہاں تک ممکن ہوتا تھا ہر کام دائیں سے ہی کرنا پسند کرتے تھے اور ظاہر ہے مصافحہ بھی بہت اچھا کام ہے پھر بھلا وہ دائیں ہاتھ سے کیوں نہ ہوگا۔

لیکن یہاں درج ذیل پہلو قابلِ غور ہیں (۱)

---

(۱) علاوہ ازیں یہاں سنن ہدیٰ اور سنن زوائد کی تفصیل بھی پیش نظر رہے تو بہتر ہے جو اسی قسم کی احادیث کے ذیل میں صاحب شرح وقایہ نے کی ہے (ج ۱ ص ۶۴ کتاب الطہارۃ)

(الف) ان احادیث میں عام طور پر دائیں ہاتھ کا تذکرہ، بائیں ہاتھ کے مقابلے میں ہے۔ یعنی رسول اللہ ﷺ کھانا، پینا، جوتا پہننا، کنگھی کرنا، غرضیکہ (استنجاء وغیرہ کو چھوڑ کر) ہر اچھے کام کے لئے بائیں ہاتھ سے کرنے یا بائیں طرف سے کرنے کے بجائے دائیں ہاتھ یا دائیں طرف سے کرنے کو پسند فرماتے تھے۔

(ب) ان احادیث کا یہ مفہوم ہرگز نہیں ہے کہ ہر اچھا کام صرف دائیں سے ہی کیا جائے، دائیں کے ساتھ بایاں ہرگز شامل نہ ہونے پائے، اگر دائیں کے ساتھ بایاں شامل ہو گیا تو وہ سنت کے خلاف ہو گیا۔ کیا مطالعۂ کتب، تلاوتِ قرآن، وضو، تیمّم، غسل وغیرہ اچھے کاموں میں اگر دائیں کے ساتھ بایاں ہاتھ لگ جائے بلکہ بالقصد لگایا جائے تو یہ بائیں کا دائیں کے ساتھ لگنا اس کام کو حرام و ناجائز کر دے گا؟ اگر آپ حضرات کا فتویٰ ناجائز ہونے کا ہو تو کیا اس سے بچنا ممکن ہے؟ اور کیا آپ حضرات خود ان کاموں کے لئے دائیں کے ساتھ بایاں ہاتھ لگانے سے بچ جاتے ہیں؟

(ج) مختصر یہ کہ اِن احادیث کا مفہوم صرف اس قدر ہے کہ مذکورہ اچھے کام صرف بائیں ہاتھ یا بائیں جانب سے نہیں کرنے چاہئیں، اِن احادیث کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ بایاں، دائیں کے ساتھ سرے سے ہی شامل نہ ہو۔

اب سوچئے کہ جو حضرات دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کے قائل ہیں وہ کیا صرف بائیں ہاتھ سے مصافحہ کرتے ہیں، یا دائیں کے ساتھ بائیں کو بھی ملاتے ہیں۔ اور اس لئے ملاتے ہیں کہ حضور ﷺ، صحابیِ رسولؓ اور تابعین کے عمل سے اسی طرح مصافحہ کرنا ثابت ہے۔

اِن احادیث کو سامنے رکھ کر میرے خیال میں اب مختلف فیہ یہ مسئلہ رہا کہ،

مصافحہ تنہا دائیں ہاتھ سے کیا جائے؟ یا دائیں کے ساتھ بائیں کو بھی ملا لیا جائے؟ جیسے اور بھی بہت سارے اچھے کام مثلاً مطالعہ، وضو، تیمّم، غسل، تلاوتِ قرآن، وغیرہ میں دائیں کے ساتھ بایاں ہاتھ بھی ملایا جاتا ہے۔

ہمارا جواب ہے کہ دائیں کے ساتھ بائیں کو بھی ملا لیا جائے، اس سے سنتِ رسولؐ، اور سنتِ صحابہؓ، سنتِ تابعین پر جو عمل ہوگا وہ ہے ہی اس کے علاوہ مسلمان بھائی کی طرف پوری توجہ بھی اسی وقت ہوگی جب اس کے دونوں ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر مصافحہ کیا جائے، بالمقابل اس صورت کے کہ دونوں کا ایک ایک ہی ہاتھ ہو، اس صورت میں پوری توجہ ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

قارئین کرام خود تجربہ کر کے دیکھ لیں کہ اپنے مخاطب کی طرف زیادہ توجہ کس صورت میں ہوتی ہے؟ دونوں ہاتھ سے مصافحہ کرنے کے وقت یا ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنے کے وقت؟

اقوالِ علماء کا حوالہ

اس کتاب کے ص ۳۱ تا ۳۶ مولانا عبدالرحمٰن صاحب نے مختلف علماء مشائخ کے اقوال نقل کئے ہیں، ان میں بھی بعض کے قول میں دائیں ہاتھ کا تذکرہ ہے، بعض میں نہیں، اور وہ بھی مستند اور غیر مستند ہر قسم کی کتابوں سے حوالے درج کر دیئے، مثلاً شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی طرف منسوب غنیۃ الطالبین کا حوالہ، حالانکہ غنیۃ الطالبین شیخ جیلانیؒ کی تصنیف نہیں ہے، شرح عقائد نسفی کی شرح نبراس میں ہے۔

واماحدیث جابر رأیت ربی مشافهة لاشک فیه ففی ثبوته

نظرولایغرنک وقوعه فی غنیة الطالبین المنسوب الیٰ الغوث الاعظم عبدالقادرجیلانی قدس سره العزیزفالنسبة غیرصحیحة والاحادیث الموضوعة فیهاوافرة (نبراس ص ۴۴۵)

اسی کتاب کے حاشیہ نمبر ۳ پر ہے

قوله فالنسبة غیرصحیحة ویشهدقول الشیخ عبدالحق الدهلوی فی عنوان ترجمته بالفارسیة

ہرگز ثابت نشدہ کہ ایں از تصنیف آنجناب است اگرچہ انتساب بآنحضرت شہرت دارد (حوالۂ مذکورہ) ان تمام اقوال کا اجمالی جواب یہ کہ یہی کام اگر ہم نے کیا ہوتا تو غیر مقلد علماء فوراً اعتراض کر بیٹھتے کہ کیا اقوالِ علماء بھی حجتِ شرعیہ ہیں؟ حدیث پیش کیجئے، اقوالِ علماء نہ پیش کیجئے، مگر اپنی باری میں یہ ساری باتیں بھول جاتے ہیں۔

★★★

ایک ہاتھ کا مصافحہ اور یہ احادیث

ایک صاحب نے اپنی کتاب ’’دو ہاتھ سے مصافحہ کی شرعی حیثیت‘‘ میں ص ۱۶ پر اپنے علماء کے کارنامے گناتے ہوئے لکھا ہے کہ مولانا سہوانی نے ایک ہاتھ کے مصافحہ پر تیس حدیثیں، مولانا عبدالرحمٰن صاحب محدث مبارکپوری نے تیرہ حدیثیں اپنے اپنے رسائل میں جمع کیں، پھر ص ۱۷ پر مولانا عبدالمتین صاحب کے بھی دلائل کا ذکر کیا، ان کی نقل کردہ حدیثوں کی تعداد تو نہیں لکھی۔ مگر خود مولانا عبدالمتین صاحب اپنی محنت اور جانفشانی کا حال یوں لکھتے ہیں

> ’’اللہ اللہ ہم نے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کا ایک ہاتھ سے مصافحہ ثابت کرنے کے لئے بہت سی کتابوں کی ورق گردانی کی اور دبئی کے ایک کتب خانہ میں ۲۲ دن تک مطالعہ کیا اور مدینہ طیبہ کی اسلامیہ یونیورسٹی کے کتب خانہ میں بہت سی کتابوں سے ایک ہی ایک ہاتھ سے مصافحہ کے دلائل جمع کئے۔‘‘(۱) (حدیث خیر وشر ص ۲۰۴)

اس سے معلوم ہوا کہ مولانا نے اپنے دلائل جمع کرنے میں بڑی دقتیں اٹھائی

---

(۱) بطور لطیفہ عرض ہے کہ مولانا کے اس جملے ’’ایک ہی ایک ہاتھ سے مصافحہ کے دلائل جمع کئے۔‘‘ کا دو مطلب نکلتا ہے، ایک تو یہ کہ ایک ہی ہاتھ کے مصافحہ کے دلائل جمع کئے، دوسرا یہ کہ اپنے پسندیدہ مصافحہ کے دلائل ایک ہی ہاتھ سے جمع کئے، یعنی دلائل جمع کرنے میں صرف ایک ہی ہاتھ لگایا، وہ بھی دایاں ہاتھ، کیوں کہ کتابوں کی ورق گردانی ظاہر ہے کہ ایک بہت اچھا کام ہے اور آپ حضرات کے نزدیک ہر اچھے کام کے لئے صرف دایاں ہاتھ متعین ہے، بایاں لگ ہی نہیں سکتا، ورنہ سارا معاملہ ہی خراب ہو جائے گا۔ قارئین کرام! یہ محض ایک لطیفہ نہیں آپ حضرات اس کتاب کے ص ۶۹ پر ملاحظہ کر چکے ہیں کہ علماء اہل حدیث ایک ہاتھ (یعنی دائیں ہاتھ) کے مصافحہ کے دلائل میں وہ احادیث بھی پیش کرتے ہیں جن میں دائیں ہاتھ کی فضیلت واہمیت بتاتے ہوئے خورد ونوش وغیرہ میں بایاں ہاتھ استعمال کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

ہیں، مگر اس سے پہلے ص ۱۸۳ پر یہ بتاتے ہوئے کہ انھوں نے کل کتنی حدیثیں جمع کی ہیں، ظاہر کرتے ہیں کہ یہ حدیثیں انھوں نے بڑی آسانی سے اکٹھا کرلی ہیں۔ فرماتے ہیں

> ''یہ چوبیس حدیثیں میرے سامنے سرسری تفتیش سے آسکی ہیں، اگر اور زیادہ مطالعہ اور تحقیق کی جائے تو اور بھی حدیثیں ایک ہاتھ سے مصافحہ کی مل جائیں گی، حالانکہ ہمارے ثبوت کے لئے ایک دو حدیثیں بھی کافی تھیں۔''
>
> (حدیث خیر و شر ص ۱۸۳)

بہر حال مولانا عبد المتین صاحب نے آسانی سے یہ حدیثیں جمع کی ہوں یا جانفشانی سے، حقیقت یہ ہے کہ ایک ہاتھ کا مصافحہ نہ ان چوبیس حدیثوں سے ثابت ہے، نہ مذکورہ بالا حضرات کی تیرہ اور تیس سے۔

یہ صاحب جو بڑے طمطراق سے چوبیس حدیثیں نقل کرنے کا دعویٰ کر رہے ہیں، جس کا جی چاہے ''حدیث خیر و شر'' اٹھا کر دیکھ لے، چوبیس حدیثوں میں سے کسی میں لفظ ''**یدواحدہ**'' یا ''**کف واحدہ**'' یا ''**یمین**'' موجود نہیں، صرف لفظ ''**ید**'' مختلف ترکیبوں میں وارد ہے۔ جس کا ترجمہ انھوں نے خود ہی صرف ''ہاتھ'' کیا ہے۔ ''ایک ہاتھ'' نہیں کیا۔ البتہ ترجمہ ختم ہونے کے بعد استدلال کرتے ہوئے نیچے اپنی طرف سے ضرور لکھ دیا ہے کہ دیکھئے! ''ایک ہاتھ سے مصافحہ کا ثبوت مل گیا۔''

اس کے ساتھ ہی ہم قارئین کو اس حقیقت سے بھی آگاہ کرنا چاہتے ہیں کہ یہ تیرہ، تیس اور چوبیس ملا کر کل ۶۳ حدیثیں ان حضرات نے نہیں جمع کی ہیں بلکہ ایک نے جس حدیث کو نقل کیا ہے، دوسرے نے بھی اسی کو، تیسرے نے بھی اسی کو، ہاں کچھ نے

اس سے ملتی جلتی حدیثوں کا اضافہ بھی کیا ہے، مگر نوعیت ہر ایک کی نقل کردہ حدیث کی ایک ہے، یعنی یہ کہ صریح کوئی نہیں، کئی کئی احتمالات موجود ہیں، ایک ہاتھ پکڑا یا دو ہاتھ، پھر یہ متعین نہیں کہ مصافحہ کے لئے پکڑا یا کسی اور غرض سے، مصافحہ ہوتا ہے ابتدائے ملاقات میں، ہاتھ پکڑا درمیانِ ملاقات میں، اِن حضرات نے کہنا شروع کر دیا کہ ایک ہاتھ کا مصافحہ ثابت ہو گیا۔

ہاتھ پکڑنا صرف مصافحہ کے لئے ہی نہیں ہوتا

کسی نے کسی کا ہاتھ پکڑا ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ مصافحہ ہی تھا۔ یوں بھی اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے یا بطورِ محبت ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ لیا جاتا ہے۔

مولانا عبدالرحمٰن صاحب محدث مبارکپوری لکھتے ہیں

> ''مجرّد دونوں ہاتھوں کے پکڑنے کا نام مصافحہ نہیں ہے، دونوں ہاتھ کے پکڑنے سے دونوں ہاتھ کے مصافحہ کا حصول ضروری نہیں۔''

مولانا نے بالکل سچ فرمایا، اِسی کے ساتھ ہم یہ بھی اضافہ کرتے ہیں کہ اسی طرح مجرد ایک ہاتھ پکڑنے کا نام بھی مصافحہ نہیں ہے، ایک ہاتھ کے پکڑنے سے ایک ہاتھ کے مصافحہ کا حصول ضروری نہیں۔ لہٰذا مولانا اور مولانا کے ہم مسلک علماء کو درج ذیل حدیثیں ایک ہاتھ کے مصافحہ کے ثبوت میں پیش کرنے کا حق نہیں۔

(۱) قال عبدالله بن هشام كنا مع النبى ﷺ وهو آخذ بيد عمر بن الخطاب

حضرت عبداللہ بن ہشام رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے، آپؐ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا ہاتھ تھامے ہوئے تھے۔ الخ (حدیث خیر و شر ص ۱۶۲)

مولانا عبدالمتین صاحب کا استدلال حدیث کے ان الفاظ وهوا خذ بيد عمر بن الخطاب سے ہے، ان الفاظ کا ترجمہ موصوف نے یوں کیا ہے

> ”آپ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا ہاتھ تھامے ہوئے تھے“

حدیث کا ترجمہ مکمل کرنے کے بعد مولانا یوں رقمطراز ہیں

> ”حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ صحابۂ کرام، رسول اللہ ﷺ سے ایک ہی ہاتھ سے مصافحہ کرتے تھے۔“

لیکن قارئین غور کریں کہ اس حدیث سے ”ایک ہاتھ کا مصافحہ“ اگر اتنا صاف ظاہر ہوتا جتنا کہ مولانا کا دعویٰ ہے تو خود مولانا کے بھی ترجمہ میں لفظ ”ایک“ ضرور موجود ہوتا، عجیب بات ہے کہ وہ حدیث کے ترجمے میں صرف اتنا لکھتے ہیں کہ ”ہاتھ تھامے ہوئے تھے“ یعنی لفظ ایک کے بغیر، اور استدلال کرتے ہوئے دعویٰ کرتے ہیں کہ اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ صحابہ کرام، رسول اللہ ﷺ سے ایک ہاتھ سے مصافحہ کرتے تھے۔“

آخر انہوں نے حدیث کا ترجمہ یوں کیوں نہ کیا ”ایک ہاتھ تھامے ہوئے تھے“ وجہ وہی ہے جو ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ جس لفظ کا ترجمہ کر رہے ہیں وہ لفظ ”ید“ ہے، ”ید واحدہ“ نہیں ہے، اور ”ید“ اسم جنس ہونے کی وجہ سے ایک اور دو، معنوں کا احتمال رکھتا ہے، اس لئے وہ ترجمہ میں ایک یا دو کی تعیین کیسے کر دیتے۔ ”ید“ کے اسم جنس ہونے کی نزاکت کا انھیں احساس ہے۔

کتنے افسوس کی بات ہے کہ حدیث کے اصل الفاظ کا ترجمہ کرتے ہوئے وہ جس لفظ ”ایک“ کا اضافہ کرنے کی گنجائش نہیں پاتے، اسی حدیث سے استدلال کرتے

ہوئے وہ اپنی طرف سے وہی لفظ بلا دھڑک لکھ ڈالتے ہیں۔

اس کے علاوہ **وھو اخذ بید عمر بن الخطاب** سے صرف یہ پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت عمرؓ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے، یہ پکڑنا مصافحہ کے طور پر تھا یا کسی اور غرض سے، اس کا پتہ نہیں چلتا۔ (اسی حدیث کے متعلق ص ۲۱ پر بھی تفصیلی بحث گزر چکی ہے) اس کے علاوہ ان حضرات کی نقل کردہ دیگر احادیث میں بھی یہ سارے احتمالات موجود ہیں۔ مثلاً

(۲) **عن ثابت البنانی ان انساً رضی الله عنه کان اذا اصبح دهن یده بدهن طیب لمصافحة اخوانه رواه البخاری فی الادب المفرد**

ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب صبح ہوتی تو انس رضی اللہ عنہ اپنا ہاتھ خوشبودار بناتے اپنے (مسلمان) بھائیوں سے مصافحہ کے لئے۔ (حدیث خیر وشر ص ۱۶۵)

حدیث خیر وشر میں اس حدیث کا عنوان یوں ہے ”ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنے کی چوتھی حدیث“ مگر آپ انہیں کے ترجمہ میں دیکھ لیجئے کہ لفظ ”ایک“ موجود نہیں۔ رہا مولانا عبدالمتین صاحب کا یہ کہنا کہ مولانا صدیق حسن خان نے اس حدیث کے ترجمہ میں ”ایک ہاتھ“ ذکر کیا ہے، تو ان کا ترجمہ ہمارے نزدیک کیا حجت ہوتا، مولانا کے نزدیک بھی حجت نہیں، ورنہ وہ خود ہی ترجمہ میں مولانا کی اتباع میں ”ایک“ ضرور بڑھا دیتے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ مولانا کے نزدیک بھی صحیح ترجمہ وہی ہے جو بلا ”ایک“ کے ہو۔

(۳) مولانا عبدالمتین صاحب ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنے کی چھٹی حدیث

یوں پیش کرتے ہیں۔

حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے عرض کیا **مسست یدرسول اللہ ﷺ بیدک قال نعم قال ارنی اقبلھا** (مسند احمد ج ۳ ص ۱۱۱) ترجمہ:- آپ نے رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ مبارک اپنے ہاتھ سے چھوا ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں، ثابت بنانی نے کہا وہ ہاتھ دکھایئے میں اس کو چوم لوں (ص ۱۶۵)

حدیث اور ترجمہ نقل کرنے کے بعد مولانا فرماتے ہیں ''اس میں دونوں طرف سے ایک ہاتھ کا مصافحہ ملتا ہے'' مگر مولانا کی خدمت میں درج ذیل سوالات پیش ہیں۔

(الف) کیا یہ ضروری ہے کہ حضور ﷺ کے دستِ مبارک کو چھونا صرف مصافحہ کے ذریعہ ہی ہوا ہو، کیا کسی کا ہاتھ چھونے کے لئے مصافحہ کے علاوہ کوئی اور صورت نہیں ہے؟

(ب) اگر حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک ہاتھ سے حضور ﷺ کا ایک ہاتھ چھوا تھا تو آخر آپ نے "**یدرسول**" **الخ** اور "**بیدک**" کا ترجمہ یوں کیوں نہ کیا، آپ نے رسول اللہ ﷺ کا ''ایک'' ہاتھ مبارک اپنے ''ایک'' ہاتھ سے چھوا تھا، یعنی ترجمہ کرتے وقت آپ کو اس ''ایک'' کا خیال کیوں نہ رہا؟

(ج) آپ نے الفاظ حدیث "**ارنی اقبلھا**" کا ترجمہ یوں کیا ہے ''وہ ہاتھ دکھایئے میں اس کو چوم لوں'' سوال یہ ہے کہ ہاتھ سے پہلے ''وہ'' آپ نے کس لفظ کا ترجمہ کیا ہے؟ حالانکہ "**ارنی اقبلھا**" کا ترجمہ صرف اتنا ہے ''مجھے دکھایئے میں ہاتھ کو چوم لوں'' "**اقبلھا**" میں ھا کی ضمیر ''ید'' کی طرف لوٹ رہی ہے اور ترجمہ وہی ہوگا

جو ہم نے کیا لیکن آپ نے اپنے مطلب کے لئے یوں ترجمہ کردیا ''وہ ہاتھ دکھایئے میں اسے چوم لوں''

مولانا الفاظِ حدیث میں آپ کو اپنا من پسند لفظ ''ایک'' بڑھانے کی گنجائش نہیں مل رہی ہے تو آپ دور سے وہی مفہوم پیدا کرنے کی کوشش کررہے ہیں؟

(۴) حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے ایک صاحب نے پوچھا **الرجل منايلقىٰ اخاه اوصديقه اينحنى له قال لاقال افيلتزمه ويقبله قال لاقال افياخذ بيده ويصافحه قال نعم**، حدیث نقل کرنے کے بعد مولانا نے ترجمہ یوں کیا ہے۔

''ہم میں سے ایک آدمی اپنے بھائی یا دوست سے ملاقات کرتا ہے تو کیا وہ اس کے لئے جھک جائے؟ آپ نے فرمایا نہیں، تو انھوں نے پوچھا کیا وہ اس سے چمٹ جائے اور بوسہ لے؟ آپ نے فرمایا نہیں، انھوں نے پھر پوچھا کیا وہ اس کا ہاتھ تھام لے اور مصافحہ کرے آپ نے فرمایا ہاں۔'' (حدیث خیر وشر ص ۱۶۷)

اس حدیث کے متعلق مولانا سے صرف اتنا سوال ہے کہ اگر اس سے ''ایک ہاتھ سے مصافحہ'' کا ثبوت مل رہا تھا تو خود آپ نے ترجمہ یوں کیوں کیا ''وہ اس کا ہاتھ تھام لے'' آپ نے ترجمہ یوں کیوں نہ کیا ''وہ اس کا ایک ہاتھ تھام لے'' ترجمہ میں جو چیز (یعنی لفظ ''ایک'') آپ کو بڑھانے کی جرأت نہ ہوئی وہ آپ نے استدلال کرتے وقت کس اصول سے بڑھادی؟

مولانا کی پیش کردہ ''ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنے کی نویں حدیث'' یہ ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے **عن النبی** ﷺ

قال من تمام التحیة الاخذبالید۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ تکمیل تحفۂ سلام ہاتھ پکڑنے سے پورا ہوتا ہے (حدیث خیر وشر ص ٦٩)

مولانا نے یہاں پر بھی **الاخذ بالید** کا ترجمہ ''ہاتھ پکڑنا'' کیا ہے یعنی عنوانِ حدیث میں حدیث کو ''ایک ہاتھ سے مصافحہ'' کی دلیل قرار دیا، مگر خود حدیث کے ترجمہ میں ''ایک ہاتھ پکڑنے کا'' ترجمہ نہ کر سکے۔

اپنی کتاب کے ص ١٦٩ پر ہی مولانا نے حضور ﷺ کے حسن معاشرت کی ایک حدیث بروایت حضرت انسؓ نقل کی ہے اس حدیث کے یہ الفاظ مولانا کے مستدل ہیں۔ **ومارأیت رجلاً اخذبیده فترک یده حتی یکون الرجل هوالذی یدع یده** ''اورِ جب کبھی کوئی آدمی آپ کا ہاتھ تھامتا تو آپ اس کا ہاتھ نہ چھوڑتے یہاں تک کہ وہ خود اپنا ہاتھ آپ کے ہاتھ مبارک سے نہ چھڑا لیتا۔''

اب مولانا کا عالمانہ استدلال ملاحظہ کیجئے، فرماتے ہیں ''اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ بھی اور صحابۂ کرامؓ بھی ایک ہی ہاتھ سے مصافحہ کرتے تھے''۔

(کتاب مذکور ص ١٧٠)

مولانا! اتنی صریح زیادتی نہ کیجئے حدیث میں ''ید'' کا لفظ تین جگہ آیا ہے آپ نے ان تینوں کا تین جگہ ترجمہ بھی کیا ہے، مگر آپ خود اپنا ترجمہ ملاحظہ کریں۔ کہیں آپ نے ترجمہ میں ''ایک ہاتھ'' کا لفظ لکھا ہے؟ جو چیز خود آپ ہی کے ترجمے سے ثابت نہیں وہ آپ زبردستی کیوں ثابت کرنے پر تلے ہیں۔

اس کے بعد مولانا نے ایک اور حدیث نقل کی ہے جو مفہوم کے اعتبار سے حدیثِ سابق سے ملتی جلتی ہے اس حدیث کو نقل کرنے سے پہلے مولانا نے حدیث

کا عنوان ''ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنے کی گیارہویں حدیث'' رکھا ہے حدیث کے مستدل الفاظ یہ ہیں۔ **واذاصافحه لم ینزع یده من یده حتی یکون هوالذی ینزعها۔** اور جب آپ سے وہ (یعنی کوئی ملاقات کرنے والا، مصافحہ کرتا تو آپ اس وقت تک اپنا ہاتھ مبارک اس کے ہاتھ سے نہ کھینچتے جب تک کہ وہ خود اپنا ہاتھ آپ کے ہاتھ مبارک سے نہ کھینچ لیتا۔'' (حدیث خیر وشر ص ۱۷۰)

اس حدیث میں لفظ ''ید'' صراحۃ دو جگہ آیا ہے اور تیسری جگہ ''ھا'' ضمیر ''ید'' کی طرف لوٹ رہی ہے مولانا نے حدیث کے ترجمے میں چار جگہ ''ہاتھ'' ترجمہ کیا ہے مگر کسی جگہ ان کی ہمت نہ ہوئی کہ ہاتھ کے ساتھ ''ایک'' بڑھا کر ''ایک ہاتھ'' کرتے، مگر استدلال کرتے وقت مولانا کی جرأت دیکھئے کہ اس حدیث کو ''ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنے کی گیارہویں حدیث'' قرار دے ڈالا۔

ص ۱۷۵ پر مولانا کی پیش کردہ ایک حدیث یوں ہے،

حدثنی ابوراشدالحبرانی قال اخذ بیدی ابوامامة الباهلی قال اخذ بیدی رسول الله ﷺ فقال لی یااباامامة ان من المومنین من یلین لی قلبه.

ترجمہ:- ابوراشد حبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث بیان کی ہے کہ حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ نے میرا ہاتھ تھام لیا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی میرا ہاتھ تھاما اور فرمایا اے ابوامامہ ایمان والوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جن کا دل میرے لئے نرم ہے یعنی آپ سے محبت ہے۔

حدیث اور ترجمہ نقل کرنے کے بعد مولانا فرماتے ہیں اس حدیث سے بھی

بالکل صاف ظاہر ہے کہ صحابہ کرامؓ ایک ہاتھ سے مصافحہ کرتے تھے۔"

(حدیث خیر و شر ص ۱۷۶)

حدیث فہمی میں یکتائے روزگار اور بقول خود "رواجی نہیں، کتابی دین کے علمبردار مولانا عبدالمتین صاحب! اگر اس حدیث سے ایک ہاتھ کے مصافحہ کا ثبوت اتنا ہی ظاہر ہے تو آخر ایسا کیوں ہے کہ آپ کے ترجمے میں دو جگہ ہاتھ موجود ہے مگر ایک، ایک جگہ بھی نہیں، اور کیا آپ یہ بتانا گوارا فرمائینگے کہ حضور ﷺ نے حضرت ابوامامہ کا ہاتھ پکڑ کر جو بات فرمائی تھی یا ابوامامہ نے ابوراشد رحمۃ اللہ علیہ کا وہی روایت نقل کرتے ہوئے ہاتھ پکڑا۔ وہ صرف مصافحہ ہی کی صورت میں ممکن ہے۔ کیا کوئی خاص بات بتانے کے لئے بطور محبت پورے طور پر اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے ہاتھ نہیں پکڑا جا سکتا ہے؟ حدیثِ ابن مسعودؓ کے سلسلے میں جو اعتراض آپ کو از بر تھا وہ آپ یہاں بھول گئے کہ کیا اس طرح کی بات بتاتے وقت بھی شریعت میں مصافحہ مقرر ہے؟ پھر اس ہاتھ پکڑنے کو آپ مصافحہ قرار دینے پر کیوں مصر ہیں۔

مولانا کا ایک اور استدلال سنئے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں **مامست خزا قط ولا حريرا ولا شيئا كان الين من كف رسول الله ﷺ**، میں کبھی کوئی خز اور ریشم کا کپڑا ایسا نہیں چھوا جو رسول اللہ ﷺ کی ہتھیلی مبارک سے زیادہ نرم و نفیس ہو۔

مولانا عبدالمتین صاحب کا زور استدلال ملاحظہ کیجئے! لکھتے ہیں "یہ ہتھیلی مبارک کا مس مصافحہ سے ہوا تھا۔" (حدیث خیر و شر ص ۱۶۵)

مولانائے محترم! حضرت انسؓ تو صرف اتنا بتا رہے ہیں کہ حضورؐ کی ہتھیلی کتنی

ملائم تھی ، انھوں نے یہ تو نہیں بتایا کہ ہتھیلی کی ملائمت کا پتہ مجھے مصافحہ سے چلا تھا، یہ تو آپ کی زبردستی ہے، کہ آپ اس کو مصافحہ کے ساتھ خاص قرار دے رہے ہیں، کیا ہتھیلی کے مس کے لئے مصافحہ ہی ضروری تھا،؟ کوئی اور صورت نہیں تھی ؟ جبکہ حضرت انسؓ حضورؐ کے خادم بھی تھے اور بچپن سے ہی گھر میں آتے جاتے رہے، حضورؐ کا کام کاج کرتے رہے۔

دوسری بات! یہ بھی بتاتے چلئے کہ اگر حضرت انسؓ کو حضورؐ کی ہتھیلی کی نرمی ونفاست کا پتہ مصافحہ سے ہی چلا تھا تو کیا حضرت انسؓ حضورؐ کی ایک ہتھیلی کی نرمی کو ہی بتا رہے ہیں؟ کیا حضورؐ کی دوسری ہتھیلی اتنی نرم نہ تھی، ہم تو کہتے ہیں کہ یہ حدیث حضورؐ کی دونوں ہتھیلیوں کی حد درجہ ملائمت کا واضح ثبوت ہے اگر آپ کے نزدیک اس حدیث سے دونوں ہتھیلیوں کی نرمی ثابت نہ ہوتی ہو بلکہ صرف ایک کی نرمی ثابت ہوتی ہو تو کیا آپ کوئی ایسی حدیث پیش کریں گے جس میں الگ الگ دونوں ہتھیلیوں کی ملائمت کا ذکر ہو۔ اور اگر کوئی ایسی حدیث مل جائے تو بتایئے کہ دونوں ہتھیلیوں کی نرمی کا راوی کو کیسے علم ہوا ہوگا؟ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کے ذریعہ؟ جسے آپ مانتے نہیں؟

مولانا کی مستدل ایک اور حدیث وہ ہے جس میں عبداللہ بن بسرؓ نے ایک مرتبہ اپنے سامنے موجود لوگوں سے کہا۔ **ترون یدی ھذہ صافحت بھا رسول اللہ ﷺ الخ** ”تم میرا یہ ہاتھ دیکھتے ہو میں نے اس سے رسول اللہ ﷺ سے مصافحہ کیا ہے (حدیث خیر وشر ۱۷۲)

مولانا فرماتے ہیں ”اس حدیث میں بھی مصافحہ کے لئے ایک ہی ہاتھ کا ذکر ہے“ (حوالۂ مذکورہ) لیکن غور کیجئے یدی ھذہٖ کا ترجمہ مولانا نے ”میرا یہ ہاتھ“

کیاہے "میرا یہ ایک ہاتھ" نہیں کیا ہے۔ پھر آخر استدلال کرتے وقت "ایک ہاتھ" کیسے بڑھا دیا اگر حدیث میں ایک ہی ہاتھ کا ذکر تھا تو ترجمہ میں اس "ایک" کو بڑھانے میں کیا چیز مانع بن گئی۔

ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنے کی اکیسویں حدیث" مولانا یوں نقل کرتے ہیں۔

عن القاسم عن ابی امامة رضی الله عنه عن النبی ﷺ قال من تمام عيادة المريض ان يضع احدكم يده علی جبهته اريده فيسأله كيف هو وتمام تحيتكم بينكم المصافحة

قاسم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے وہ ابوامامہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا پوری بیمار پرسی یہ ہے کہ تم بیمار کی پیشانی یا اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھو اور پوچھو کہ وہ کیسا ہے اور تمہارے درمیان تحفۂ سلام پورا ہوتا ہے مصافحہ سے (حدیث خیر وشر ص ۱۸۰) قارئین کرام کو حدیث نبوی کے ترجمے سے جو مولانا عبدالمتین صاحب ہی کا کیا ہوا ہے اندازہ ہو گیا ہوگا کہ اس حدیث میں نبی کریمؐ نے دو باتیں بیان فرمائی ہیں۔ اول یہ کہ پوری عیادت و بیمار پرسی یہ ہے کہ عیادت کرنے والا بیمار کے سر یا ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر اس کا مزاج پوچھے دوسری یہ کہ تحفۂ سلام کی تکمیل اس وقت ہوتی ہے جب سلام کے ساتھ مصافحہ بھی ہو۔

غور کیجئے! اس حدیث میں کہیں پر بھی ایسا لفظ آیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہو کہ حضور ﷺ نے ایک ہی ہاتھ سے مصافحہ کرنے کا حکم دیا ہے؟ مگر اس کے باوجود حدیث دانی کے مدعی مولانا عبدالمتین صاحب فرماتے ہیں۔

"یہ حدیث بھی مبہم نہیں بلکہ بالکل واضح اور صاف ہے کہ مصافحہ ہمارے پیغمبر

ﷺ نے صرف ایک ہی ہاتھ سے بتایا ہے۔'' (حدیث خیر و شر ص ۱۸۰)

مولانا خود اپنا ہی ترجمہ پڑھ ڈالئے کہاں حضورؐ نے ایک ہاتھ سے مصافحہ بتایا ہے؟ حدیث میں تو صرف سلام کے ساتھ مصافحہ کی ترغیب ہے طریقہ مصافحہ کا تو اس میں کہیں سے بھی تذکرہ نہیں۔

ص ۱۸۲ پر مولانا نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت نقل کی ہے جس میں ایک صاحب نے حضرت ابوذرؓ سے دریافت کیا ہے کہ حضور ﷺ ملاقات کے وقت لوگوں سے مصافحہ کرتے تھے یا نہیں؟ اس کے جواب میں حضرت ابوذرؓ نے فرمایا۔

لم یلقنی قط الا اخذ بیدی غیر مرۃ واحدۃ الخ ''آپ جب بھی مجھ سے ملے آپؐ نے میرا ہاتھ تھاما۔'' (حدیث خیر و شر ص ۱۸۲)

حدیث کا ترجمہ نقل کرنے کے بعد مولانا فرماتے ہیں اس حدیث میں ابوذرؓ نے آپ کے ایک ہاتھ کا ذکر مصافحہ کے لئے کیا ہے، (کتاب مذکور ص ۱۸۳)

مولانا آپ نے خود ترجمہ کیا ہے ''میرا ہاتھ تھاما'' آپ نے یہ ترجمہ تو نہیں کیا ''میرا ایک ہاتھ تھاما'' پھر آخر آپ یہ کیوں کہہ رہے ہیں کہ حدیثِ ابوذرؓ نے حضور ﷺ کے ایک ہاتھ کا ذکر کیا ہے۔

کیا درمیان گفتگو بھی مصافحہ ہوتا ہے؟

اگر ہم یہی سوال مولانا عبدالمتین صاحب جونا گڈھی یا ان کے حواریوں سے کریں تو سب کا جواب نفی میں ہوگا اور وہ سب ایک زبان ہو کر کہیں گے ''یہ بات بھی دھیان میں رکھئے کہ مصافحہ ملاقات کے وقت ہوتا ہے'' (حدیث خیر و شر ص ۱۸۵)

لیکن کتنے افسوس کی بات ہے کہ یہی مولانا عبدالمتین صاحب ان حدیثوں کوایک ہاتھ سے مصافحہ کے ثبوت میں پیش کئے چلے جا رہے ہیں جن میں حضورؐ نے کسی صحابی کا یا کسی صحابی نے دوسرے صحابی کا ازراہِ محبت یا اپنی طرف زیادہ متوجہ کرنے کے لئے دورانِ گفتگو ہاتھ پکڑا، مولانا نے اس قسم کی کئی حدیثیں نقل کی ہیں۔ یہاں ہم بطور مثال ایک حدیث نقل کر رہے ہیں۔

حضرت ابوسعید بن معلّٰی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں

كنت أصلى فى المسجدفدعانى رسول الله ﷺ فلم أجبه فقلت يارسول الله انى كنت أصلى فقال الم يقل الله استجيبوالله وللرسول إذادعاكم ثم قال لى لاعلمنک سورة هى اعظم السورة فى القرآن قبل ان تخرج من المسجدثم أخذ بيدى فلماراد ان يخرج ققلت الم تقل لأعلمنّک سورة هى اعظم سورمن القرآن قال الحمد لله رب العالمينن. هى السبع المثانى و القران العظيم الذى أوتيتهٗ

(بخاری ج ۲ ص ۶۴۲ کتاب التفسیر)

"میں مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا تو مجھے رسول اللہ ﷺ نے بلایا تو میں نے جواب نہیں دیا (بعد نماز کے) میں نے عرض کیا یارسول اللہ میں نماز پڑھ رہا تھا، تو آپ نے فرمایا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد نہیں فرمایا کہ "قبول کرو بات اللہ اور رسولؐ کی جب کہ وہ تم کو بلائیں" پھر آپ نے فرمایا میں تم کو ایک ایسی سورت سکھاؤں گا تمہارے مسجد سے نکلنے سے پہلے، جو قرآن کی سب سے زبردست سورت ہے۔ پھر آپ نے میرا ہاتھ تھام لیا پس جب آپ نے مسجد سے نکلنے کا ارادہ کیا تو میں نے عرض کیا کہ آپ نے فرمایا تھا کہ میں تم کو ایک ایسی سورت سکھاؤں گا جو قرآن کی سب سے بڑی

سورت ہے، تو آپ نے فرمایا الحمدللہ رب العالمین یہی سبع مثانی ہے یعنی بار بار دہرائی جانے والی سات آیتیں اور یہی قرآنِ عظیم ہے جو مَیں دیا گیا ہوں۔”

(حدیث خیر وشر ص ۱۶۳)

قارئین کرام پوری حدیث اور اس کے ترجمے پر غور فرمائیں، خاص طور سے حدیث اور ترجمہ میں دونوں جگہ خط کشیدہ عبارت پر دھیان دیں یہ ہاتھ پکڑنے کا واقعہ ابتدائے ملاقات میں ہوا ہے یا دورانِ گفتگو۔

حضرت ابوسعیدؓ نماز پڑھ رہے تھے حضورؐ نے انہیں بلایا وہ نماز میں مشغول ہونے کی وجہ سے نہ آسکے نماز سے فارغ ہو کر حضورؐ کے پاس آئے یہی موقع تھا کہ مصافحہ ہوا ہوتا، مگر ہوا یہ کہ جانے کے بعد مصافحہ نہ ہوا بلکہ جاتے ہی ابوسعیدؓ نے اپنے فوراً نہ آنے کی وجہ بتائی اس کے بعد حضورؐ نے انہیں اللہ تعالیٰ کا ایک ارشاد یاد دلایا پھر یہ بھی فرمایا کہ تمہارے مسجد سے نکلنے سے پہلے میں تم کو قرآن کی سب سے اہم سورت سکھاؤں گا اتنی گفتگو کے بعد حدیث میں آتا ہے کہ ثم اخذ بیدی جس کا ترجمہ مولانا عبدالمتین صاحب نے یوں کیا ہے کہ پھر آپ نے ‘میرا ہاتھ تھام لیا’ اس کے بعد اور جو واقعہ پیش آیا اس کی تفصیل حدیث میں موجود ہی ہے، بتانا صرف یہ ہے کہ اس ‘‘ہاتھ پکڑنے’’ کو مصافحہ قرار دینا سراسر غلط ہے کیوں کہ اثنائے گفتگو اور درمیانِ کلام تو مصافحہ کا محل وموقع ہے ہی نہیں۔ اس کو خود مولانا عبدالمتین صاحب اور ان کے مقلدین بھی تسلیم کرتے ہیں حدیث خیر وشر ص ۱۸۵ کی یہ عبارت گذر چکی ہے کہ ‘‘یہ بات بھی دھیان میں رکھئے کہ مصافحہ ملاقات کے وقت ہوتا ہے’’ گویا مولانا عبدالمتین صاحب بڑے شدومد کے ساتھ کہہ چکے ہیں کہ مصافحہ ملاقات کے وقت ہی ہوتا ہے۔ اب خود انہیں

سوچنا چاہئے کہ دوران گفتگو" ہاتھ پکڑنے کو وہ مصافحہ کس طرح قرار دے رہے ہیں۔

مولانا کو یہ بات لکھتے ہوئے اللہ سے خوف کرنا چاہئے کہ حضرت ابوسعید بن معلیٰ رضی اللہ عنہ کے آنے پر" آپؐ نے ایک ہی ہاتھ تھام کر مصافحہ کیا۔"

(حدیث خیر و شر ص ۱۶۴)

حضورؐ نے ابوسعیدؓ کے آنے پر ان کا ہاتھ پکڑا تھا یا آنے کے بعد اچھی خاصی گفتگو کر لینے اور ہدایات دیدینے کے بعد؟ اس کے علاوہ ہاتھ پکڑنے سے یہ کہاں ظاہر ہے کہ ایک ہی ہاتھ پکڑا تھا اگر ایک ہی ہاتھ پکڑا تھا تو آپ کے ترجمہ میں لفظ "ایک" کہاں غائب ہو گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ ہاتھ پکڑنا مصافحہ کے لئے نہیں تھا بلکہ بطور محبت پورے طریقے سے اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے تھا، اس طرح ہاتھ پکڑنے کی احادیث میں بکثرت مثالیں موجود ہیں تھوڑی سی گفتگو پچھلے صفحات میں بھی آچکی ہے۔

ترجمہ اور استدلال میں یہ فرق کیوں؟

آخر مولانا کے ترجمے اور استدلال میں اتنا فرق کیوں ہے؟ وہ خود ہی اپنی پیش کردہ احادیث کا ترجمہ کر رہے ہیں، کسی بھی ترجمہ میں لفظ "ایک" بڑھانے کی گنجائش انہیں نہیں ملتی مگر استدلال کرتے ہوئے بڑی بے خوفی کیساتھ وہ لفظ "ایک" بڑھا دیتے ہیں خود انھیں کے ترجمہ سے پتہ چلتا ہے کہ حدیث کا تعلق مصافحہ سے نہیں مگر وہ اسے مصافحہ کی حدیث قرار دینے میں نہیں چوکتے، انھیں کا ترجمہ بتاتا ہے کہ فلاں چیز کا معلوم ہونا مصافحہ پر موقوف نہیں مگر پھر بھی زبردستی وہ اسے مصافحہ کے ساتھ ہی جوڑ دیتے ہیں۔

مولانا مبارکپوری کی نقل کردہ تین روایتیں

مولانا عبدالرحمٰن صاحب مبارکپوریؒ نے اپنی کتاب "المقالۃ الحسنٰی فی سنیۃ المصافحۃ بالید الیمنیٰ" کے ص ۱۱ پر ایک عنوان یوں قائم کیا "پہلا باب ایک ہاتھ سے مصافحہ کے مسنون ہونے کے ثبوت میں" اس کے بعد "پہلی روایت" کا عنوان دے کر درج ذیل حدیث مع ترجمہ یوں نقل کرتے ہیں۔ **عن عبیداللہ بن بسر قال ترون یدی ھٰذہ صافحت بھا رسول اللہ** ﷺ۔ یعنی عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا کہ تم لوگ میرے اس ہاتھ کو دیکھتے ہو میں نے اسی ایک ہاتھ سے رسول اللہ ﷺ سے مصافحہ کیا ہے۔

اِس قسم کی احادیث کے بارے میں ہم لکھ چکے ہیں کہ یہ حدیثیں ایک ہاتھ کے مصافحہ کا ثبوت نہیں کیوں کہ حدیث میں "ایک" کی صراحت نہیں ہے۔ اور "ید" اسمِ جنس ہونے کی وجہ سے ایک ہاتھ اور دو ہاتھ، دونوں کا احتمال رکھتا ہے، مولانا عبدالرحمٰن صاحب کے ہی ترجمے کو دیکھئے۔ **ترون یدی ھٰذہ** کا یوں ترجمہ کیا "تم لوگ میرے اس ہاتھ کو دیکھتے ہو" یعنی "ید" کے ترجمہ میں "ایک" کا اضافہ نہیں کیا۔ لیکن **صافحت بھا** میں "ھا" کی ضمیر (جو کہ ید ہی کی طرف لوٹ رہی ہے) کا ترجمہ کرتے ہوئے جان بوجھ کر "ایک" کا لفظ بڑھا دیا اور یوں ترجمہ کیا ہے۔ "میں نے اسی ایک ہاتھ سے الخ"

سوال یہ ہے کہ اگر ید کا ترجمہ "ایک ہاتھ" کرنا تھا تو اصل لفظ میں آپ نے اسے کیوں چھوڑ دیا، ضمیر کے وقت ہی کیوں اس کا خیال آیا؟

دوسری روایت یوں نقل کی ہے

عن انس بن مالک قال صافحت بکفی ھٰذہٖ کف رسول اللہ ﷺ فما مست خزا ولا حریراً الین من کفہ ﷺ. (ص ۱۲)

یعنی انس بن مالک سے روایت ہے کہ میں نے اپنی اس ایک ہتھیلی سے مصافحہ کیا ہے رسول اللہ ﷺ کی ہتھیلی سے پس میں نے رسول اللہ ﷺ کی ہتھیلی سے زیادہ نرم نہ کسی خز کو اور نہ کسی ریشمی کپڑے کو مس کیا۔

اولاً تو اس میں بھی لفظ ’’کف‘‘، ’’ید‘‘ کی طرح اسم جنس ہے اور ایک کی تعیین نہیں، مولانا نے ایک کا اضافہ صرف اپنی مطلب برآری کے لئے کیا ہے۔ دوم یہ حدیث ضعیف ہے۔ قابل احتجاج واستدلال نہیں۔ مولانا خود لکھتے ہیں

> ’’اس حدیث کی اسناد کے لئے کئی طریق ہیں بعض طریق اگرچہ قابلِ احتجاج واستشہاد نہیں مگر بعض طریق قابلِ استشہاد ضرور ہیں اور ہم نے اس روایت کو احتجاجاً پیش نہیں کیا ہے بلکہ استشہاداً۔‘‘ (ص ۱۳)

مولانا کی اس عبارت سے ظاہر ہوا کہ اس روایت کے بعض طریق نہ قابل احتجاج ہیں نہ قابل استشہاد، البتہ بعض طریق قابل استشہاد ہیں (یعنی حجت پکڑنے کے قابل تو کوئی بھی نہیں البتہ بعض طریق کے لحاظ سے دوسری روایات کے مفہوم کے لئے یہ روایت بطور ’’شاہد‘‘ کے ضرور ہے۔)

لیکن مولانا کی اس بات پر ہمیں دو اشکال ہیں،

(۱) مولانا نے جس طریق کو قابلِ استشہاد قرار دیا ہے، آخر وہ بیان کیوں نہیں کیا، صرف مجمل بات کہہ کر آگے کیوں بڑھ گئے، جبکہ اس کے برخلاف پہلی روایت کی صحت کو دکھانے کے لئے دنیا بھر کا حاشیہ لکھ مارا، اور ایک ایک روایت اور راوی پر بحث

کرڈالی۔"

اس سے ہم کیا نتیجہ نکالیں دوسروں سے ہر معاملہ میں حدیثِ صحیح اور مرفوع متصل کا مطالبہ کرنے والے۔ اپنے معاملے میں حدیثِ صحیح وضعیف کا امتیاز کس طرح بالائے طاق رکھ دیتے ہیں، قارئین نے اس کا نمونہ دیکھ لیا۔

(۲) مذکورہ عبارت کے آخر میں مولانا نے لکھا ہے کہ "ہم نے اس روایت کو احتجاجاً پیش نہیں کیا بلکہ استشہاداً۔ لیکن اس روایت کو استشہاداً بھی پیش کرنا درست نہیں کیوں کہ استشہاداً اس وقت صحیح ہوتا جب پہلی روایت سے آپ کی بات ثابت ہو جاتی۔ جب پہلی ہی روایت سے آپ کی بات ثابت نہیں۔ پھر کس لئے بطور استشہاد پیش کررہے ہیں؟ علامہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں

وان وجد متن یروی من حدیث صحابی آخر یشبهه فی اللفظ و المعنیٰ او المعنیٰ فقط فهو الشاهد. (نزهة النظر ص ۴۲)	اگر کوئی متن پایا جائے جو کسی دوسرے صحابی سے مروی ہو اور پہلی حدیث کے لفظ اور معنیٰ میں مشابہ ہو یا صرف معنیٰ میں مشابہ ہو تو وہ "شاہد" کہلاتا ہے۔

یہ حدیث پہلی حدیث کے لئے "شاہد" اس اعتبار سے ضرور بنے گی کہ پہلی حدیث سے بھی مصافحہ کا جواز ثابت ہوتا تھا اور اس حدیث سے بھی، لیکن نہ اُس حدیث سے ایک ہاتھ کا مصافحہ ثابت تھا نہ اِس حدیث سے ثابت ہوگا۔ لہٰذا ایک ہاتھ کے مصافحہ کے ثبوت کے لئے یہ حدیث، پہلی حدیث کے لئے "شاہد" نہیں بن سکتی، کیوں کہ یہ اِس اعتبار سے سابقہ حدیث کے نہ لفظ میں مشابہ ہے نہ معنیٰ میں۔

(۲) مولانا نے تیسری روایت جو نقل کی ہے اسے دیکھ کر ہم یقیناً حیرت زدہ رہ

گئے تھے، کیوں کہ اس میں صراحۃً ایک ہاتھ (وہ بھی داہنے ہاتھ) سے مصافحہ کا ثبوت موجود ہے آپ بھی ملاحظہ کیجئے۔

عن ابی امامة تمام التحية الاخذ باليدوالمصافحة باليمنیٰ رواه الحاكم فی الكنی كذافی كنزالعمال . (ج ۵ ص ۳۱)

یعنی ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سلام کی تمامی ہاتھ کا پکڑنا ہے اور مصافحہ داہنے ہاتھ سے ہے روایت کیا اس کو حاکم نے کتاب الکنی میں"۔

مولانا اس روایت کونقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں

"اس روایت سے بھی صراحۃً معلوم ہوا کہ ایک ہاتھ سے یعنی داہنے ہاتھ سے مصافحہ کرنا چاہئے" (ص ۱۴)

اس روایت سے بھی نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ غیر مقلد علماء کی طرف سے اب تک جتنی روایتیں پیش کی گئی ہیں ان میں سے بس یہی ایک ایسی روایت ہے، جس میں صراحۃً ایک ہاتھ وہ بھی دائیں کا ذکر موجود ہے۔

کتابچہ پر سرسری نظر ڈالتے ہوئے اس روایت کو دیکھ کر میں چونکا ضرور تھا، لیکن میرا دل کہہ رہا تھا کہ اس روایت میں کوئی نہ کوئی گڑبڑ ضرور ہے، ورنہ کیا بات ہے کہ اکثر غیر مقلد علماء اپنی کتابوں میں اس حدیث کا ذکر ہی نہیں کرتے، اور مولانا عبدالرحمٰن صاحب نے ذکر کیا بھی تو تیسرے نمبر پر، حالانکہ یہ روایت ایک ہاتھ کے مصافحہ میں بالکل صریح ہونے کی وجہ سے اس لائق تھی کہ اسے پہلے نمبر پر لایا جاتا، اور ہمارے چیلنج کے جواب میں فوراً لاکر پیش کر دیا جاتا۔

مولانا عبدالمتین جونا گڈھی جو اپنی کتاب "حدیث خیر وشر" میں ایک ہاتھ کے

مصافحہ پر چوبیس حدیثیں پیش کرنے کے مدعی ہیں۔ اور جنھوں نے یہ بھی لکھدیا ہے کہ انھوں نے ان حدیثوں کو جمع کرنے میں کتنی محنتِ شاقہ برداشت کی ہے، وہ بھی اس حدیث کو نہیں پیش کرتے جب کہ مولانا عبدالرحمٰن صاحب کی یہ کتاب ان کی کتاب سے برسوں پہلے چھپ چکی تھی۔ اور غیر مقلد علماء کی نظر میں ایک ہاتھ سے مصافحہ کے ثبوت میں نہایت معرکۃ الآراء کتاب تھی اور ہے، مگر تعجب تھا کہ کوئی اہلِ حدیث عالم اس حدیث کو پیش کرنے کی جرأت نہیں کرتا۔ اور پیش کی تو مولانا عبدالرحمٰن صاحب مبارکپوری نے جن کے علمی تفوق سے انکار نہیں، لیکن احناف کے خلاف ان کا معاندانہ ومتعصّبانہ رویہ بھی، ان کی کتابوں کا مطالعہ کرنے والے پر مخفی نہیں۔

یہ وجوہ تھے جن کی بناپر اس حدیث کو پڑھ کر چونک اٹھنے کے باوجود میرا دل گواہی دے رہا تھا کہ اس روایت میں کہیں سے گڑبڑ ضرور ہے میرا ارادہ تھا کہ اس حدیث کے بارے میں سنداً تحقیق کروں مگر جب مولانا کے کتابچہ کا شروع سے بالاستیعاب مطالعہ کیا تو اس حدیث کی گڑبڑی خود سامنے آگئی اور یہی نہیں بلکہ مولانا عبدالرحمٰن صاحب کی چالاکی بھی۔

معاملہ یہ ہے کہ مولانا کی نقل کردہ دوسرے نمبر والی جس روایت کا ابھی ذکر آیا ہے اس کے بارے میں کلام کرتے ہوئے اور اپنے بچاؤ کا راستہ تلاش کرتے ہوئے مولانا نے اِس تیسری روایت کی سند کی طرف بھی ہلکا اشارہ کردیا ہے اور اشارہ ایسا ہے کہ بادی النظر میں اصل حقیقت واضح نہیں ہو پاتی۔ دوسری روایت پر کلام کرتے ہوئے مولانا کے الفاظ یہ ہیں۔

”اِس حدیث کے اسناد کے کئی طریق ہیں بعض طریق اگرچہ قابل احتجاج

واستشہاد نہیں مگر بعض طریق قابل استشہاد ضرور ہیں اور ہم نے اس روایت کو احتجاجاً نہیں پیش کیا ہے بلکہ استشہاداً، اور اسی طرح تیسری روایت بھی استشہاداً ہی ذکر کی گئی ہے‘‘

(ص ۱۳)

خط کشیدہ عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ یہ تیسری روایت سنداً ضعیف ہے اور حجت پکڑنے اور دلیل لانے کے قابل نہیں، البتہ بقول مولانا استشہاد کے لائق ہے مگر ہمارا یہ کہنا ہے کہ یہ روایت استشہاد کے بھی لائق نہیں کیوں کہ جب پہلی روایت سے ایک ہاتھ (داہنے ہاتھ) سے مصافحہ ثابت ہی نہیں ہوا۔ پھر یہ حدیث لفظ یا معنیٰ میں مشابہ ہو کر اس کے لئے شاہد کیسے بنی؟

بیچارے اہلِ حدیث علماء کو ایک ہاتھ کے مصافحہ پر بڑی مشکلوں سے ایک صریح حدیث ملی بھی تو وہ بھی ان کے کام کی نہ رہی۔ مولانا عبدالرحمٰن صاحب کو اصولی طور پر چاہئے تھا کہ زیر بحث تیسری روایت کے بارے میں خط کشیدہ عبارت، تیسری روایت نقل کرنے کے بعد لاتے یا اگر دوسری روایت کے ساتھ لا چکے تھے تو دوبارہ تیسری روایت کے بعد بھی لاتے، تا کہ تیسری روایت کے بارے میں کوئی مغالطہ نہ ہوتا جیسا کہ مولانا نے پہلی اور دوسری روایت نقل کرنے کے بعد اس پر گفتگو کی۔ مگر تیسری روایت کی سند کے متعلق قبل از وقت مختصر سی بات لے آنا اور روایت نقل کرنے اور ترجمہ کر دینے کے بعد لکھ دینا کہ اِس حدیث میں ایک ہاتھ کے مصافحہ کا صراحۃً ثبوت مل گیا اور سند کے متعلق کچھ نہ کہنا مولانا کے علمی مقام کے شایانِ شان نہیں۔

ختم شد